پاکستانی ادب

ڈرامہ

چھٹی جلد - حصہ اوّل

ترتیب و انتخاب

رشید امجد

ناشر ——— فیڈرل گورنمنٹ سرسید کالج راولپنڈی

طبع اوّل ——— ۱۹۸۸ء

کتابت ——— افتخار احمد

مطبع ——— سید احمد شہید پرنٹنگ پریس
گوالمنڈی راولپنڈی

تعداد ——— گیارہ سو

قیمت ——— ۵۰۰ روپے (دو جلدیں)

خواجہ معین ایک تعارف

میرزا ادیب

پارسی تھیٹر کے زوال کے بعد ہمارے کچھ اہل قلم نے ڈرامے کی طرف خاص توجہ کی اور ان کی اس توجہ کے
ن کئی ڈرامے معرض وجود میں آ گئے مگر ان کی یہ کوشش بہتر نتائج بروئے کار نہ لا سکی اس کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ جن محترم
ہتیوں نے ڈرامے لکھے تھے وہ سٹیج کی مبادیات سے بھی واقف نہیں تھیں۔ ان کے ڈرامے چھپ کر لوگوں کے سامنے آ گئے
سٹیج نہ ہو سکے۔ مولانا ظفر علی خاں، مولانا عبدالحکیم شرر، مولانا عبدالماجد دریا آبادی اور مولانا محمد حسین آزاد سٹیج کی ضرورتوں
قطعاً ناواقف تھے۔ اس لئے ان کے ڈرامے صرف پڑھے گئے سٹیج تک رسائی حاصل نہ کر سکے۔ اگر یہ لوگ سٹیج کے
زم سے آگہی حاصل کر کے ڈرامے کو اپنانے کی سعی کرتے تو ایک بہت اچھی روایت قائم ہو سکتی تھی۔ جو نہ ہو سکی۔

یہ ڈرامے اپنی نوعیت کے اعتبار سے ادبی ڈرامے تھے۔ پڑھنے والوں نے انہیں بطور قصہ کہانیوں کے پڑھا اور معاملہ
ہو گیا۔ اس دور میں اگر ریڈیو کا ادارہ ڈرامے کی طرف بھرپور توجہ نہ کرتا تو ڈرامے کو زندگی کی حرارت حاصل کرنے کی خاطر نہ جانے
ت اور انتظار کرنا پڑتا۔ خوش قسمتی یہ ہوئی کہ ریڈیو نے ڈرامے کے میدان میں اپنی مسلسل سرگرمیوں سے ایک ایسا گروہ پیدا کر دیا
کی تجدید حیات کے لئے برسرِ عمل ہو گیا۔ اس گروہ میں آہستہ آہستہ وہ افراد شامل ہوتے گئے جن کے اندر ڈرامے کے سلسلے میں
صلاحیتیں موجود تھیں۔ انہیں ایک تحریک کی ضرورت تھی۔ ریڈیو نے یہ فریضہ ادا کر دیا اور یہ افراد متحرک ہو گئے۔

ان متحرک افراد کی فہرست میں جو نام بہت نمایاں، بہت اہم اور بڑا تابناک نظر آتا ہے وہ نام ہے خواجہ معین الدین کا۔
صاحب کے بارے میں ایک لمحہ توقف کئے بغیر یہ کہا جا سکتا ہے کہ ڈرامہ نگار بھی تھے، اداکار بھی، ہدایت کار بھی اور پیشکار بھی۔
انہوں نے ہر شاخ میں اپنی اہلیتوں کا اظہار کیا اور سب نے ان کی اہلیتوں کا اعتراف کیا۔

اپنی موت سے قبل ٹیلی ویژن پر ان سے جو انٹرویو لیا گیا تھا اس میں انہوں نے بتایا تھا کہ کس بیچارگی کے عالم میں انہوں نے
س ہتیوں کے ساتھ اپنا پہلا ڈرامہ پیش کیا تھا۔ یہ محض نتیجہ تھا ان کی استقامت طبع کا اور استقامت طبع سے زیادہ ان
ے سے لگن کا۔ کہ وہ مایوسیوں سے مغلوب ہونے کے بجائے ہر حالت میں اپنا مشن جاری رکھنے پہ آمادہ کار ہو گئے اور
ن کے اندر "تماشا بینی" کا نہ صرف شوق ابھارتے رہے بلکہ اس شوق میں متواتر اضافہ بھی کرتے گئے۔

خواجہ صاحب کی تھیٹر سے لگن دیکھ کر یہ کہنا بے جا نہیں ہوگا کہ وہ پاکستان میں بابائے تھیٹر کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اور جب بھی اردو تھیٹر کی تاریخ لکھی جائے گی۔ ان کی کوششوں کا تفصیل کے ساتھ ذکر ہوگا۔

مجھے اس وقت جو کچھ عرض کرنا ہے خواجہ صاحب کے فن کے حوالے سے کہنا ہے اس باب میں سب سے پہلا سوال یہ ہے کہ ان کے ڈراموں کی تعداد کتنی ہے اور ان ڈراموں کے عنوانات کیا ہیں۔

عشرت رحمانی نے خواجہ صاحب کے جن ڈراموں کا ذکر کیا ہے وہ تعداد میں پانچ ہیں اور وہ یہ ہیں۔

لال قلعہ سے لالو کھیت تک ،

زوالِ حیدر آباد ،

جو چمکے وہ سونا

غالب بندر روڈ پہ

وادیٔ کشمیر

اس فہرست میں تعلیم بالغاں کا اضافہ ہونا چاہیئے۔ اس طرح خواجہ صاحب کے چھ ڈراموں کی فہرست مکمل ہوتی ہے۔ ممکن ہے انہوں نے اور ڈرامے بھی لکھے ہوں جو یا تو چھپے نہیں ہیں یا سٹیج نہیں ہوئے اور ہوئے بھی ہیں تو ان کی اطلاع ہمارے نقادوں کو نہیں ہو سکی۔ "تعلیم بالغاں" ممکن ہے کراچی یا کسی اور شہر میں سٹیج بھی ہوا ہو۔ مگر اسے اصل شہرت ٹیلی وژن کے توسط سے ملی ہے یہ ڈرامہ ٹیلی ویژن کا صدا بہار پھول ہے۔ بار بار دکھایا گیا ہے اور اتنی عوامی مقبولیت حاصل کر چکا ہے کہ آج بھی دیکھنے والے اسے دیکھنے کے لئے بے تاب ہیں۔

اس سے پیشتر کہ خواجہ صاحب کے فن بالخصوص لال قلعہ سے لالو کھیت تک کے حوالے سے اپنی رائے کا اظہار کروں یہ بات ضرور کہوں گا کہ خواجہ صاحب کی تحریریں جو ڈراموں کی صورت میں سامنے آئی ہیں یہ واضح کرتی ہیں کہ وہ ڈرامے کو محض ذریعہ تفریح نہیں سمجھتے تھے۔ وہ مقصدیت کے قائل تھے انہوں نے جو ڈرامہ بھی لکھا ہے ایک خاص مقصد کو پیش نظر رکھ کر لکھا ہے۔ ان کے ڈرامے تفریحی مواد سے محروم نہیں ہیں۔ لیکن یہ چیز ان کے لئے ثانوی حیثیت رکھتی ہے اصل چیز وہ مقصد ہے جسے وہ اوّلیت کا درجہ دیتے ہیں۔ اس لئے یہ بات بلا تامل کہی جا سکتی ہے کہ خواجہ صاحب ایک مقصدی تمثیل نگار تھے اور آخر تک ان کی یہ حیثیت برقرار رہی۔

"لال قلعہ سے لالو کھیت تک" کراچی، لاہور اور پاکستان کے کئی بڑے شہروں میں دکھایا گیا ہے اور اس کا ہر شو بہت کامیاب ثابت ہوا ہے۔ اس ڈرامے کی عظمت اور قبولیت کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ اسے عالمی شہرت کے اداکار

ضیاء محی الدین نے ڈائرکٹ کرکے پیش کیا تھا۔ جسے بڑی کامیابی نصیب ہوئی تھی۔

یہ ڈرامہ جس قدر طبیعتوں پر گہرا اثر ڈالتا ہے اسی قدر اپنے دامن میں سامانِ عبرت بھی لئے ہوئے ہے اس کا موضوع ہجرت ہے اور اب تک ہجرت سے متعلق بیسیوں تخلیقات اردو ادب میں شامل ہو چکی ہیں۔ مگر یہ ڈرامہ باقی تخلیقات سے مقابلتہً زیادہ موثر ہے اس کی وجہ اس کے عنوان ہی سے نمایاں ہو جاتی ہے۔

ہجرت ان سب لوگوں کے لئے زندگی کا سب سے بڑا مسئلہ بن گئی تھی جو اپنی مرزبوم کو چھوڑ کر ایک نئے ملک میں داخل ہو رہے تھے اس یقین کے ساتھ داخل ہو رہے تھے کہ اب انہوں نے اپنی زندگی کے باقی شب و روز اسی سرزمین پر رہ کر گزارنے ہیں۔

ہجرت کسی کے لئے بھی ہو ــ ایک بہت بڑا اور کربناک مسئلہ ہے۔ جس جگہ ایک انسان پیدا ہوا ہو۔ جہاں اس نے اعزہ و اقارب کے درمیان رہ کر زندگی بسر کی ہو۔ جس کے پہاڑوں، کھیتوں، ندیوں، دریاؤں اور ماحول سے اپنائیت کا ایک ناقابلِ شکست احساس پیدا ہو چکا ہو۔ اسے بے سروسامانی کے عالم میں چھوڑتے ہوئے دل پر کیا کچھ نہیں گزر جاتی۔ مگر یہاں ہجرت کسی عام انسان کی نہیں ہے ان لوگوں کی ہے جو امارت کی گود میں پلے ہیں اور جن کے دماغوں میں حکمرانی بو سمائی ہوئی ہے۔ ان لوگوں کو ہجرت کرتے ہوئے کن کن صبر آزما مراحل سے گزرنا پڑا ہوگا۔ یہ روداد ہے لال قلعہ سے لالوکھیت تک کی۔

لال قلعہ علامت ہے اقتدار کی، امارت اور عظمت کی اور سب سے بڑھ کر یہ کہ حکمرانی کی اور خواجہ معین الدین نے اپنے ڈرامے میں جن افراد کو ایک ملک سے دوسرے ملک میں آتے ہوئے دکھایا گیا ہے وہ ایسے لوگ ہیں جن کا واسطہ ذہنی طور پر لال قلعہ سے ہے گویا یہ عام لوگوں سے بدرجہا بلند ہیں کم از کم خود کو عام لوگوں سے بہت بلند تصور کرتے ہیں۔ یہ بے چارے کیا جانیں کہ ہجرت کا کیا کرب ہوتا ہے۔ ہجرت اپنے ساتھ کیا کیفیتیں لے کر آتی ہے۔ کیسے کیسے دکھ ہیں جو انسان کو سہنا پڑتے ہیں۔ اور کیسی کیسی دشواریاں جنہیں بہر صورت برداشت کرنا پڑتا ہے۔

یہ ذہنی طور پر لال قلعہ کے باسی اپنے وطن کے در و دیوار پر حسرت کی نظر کرکے جب آمادۂ سفر ہوتے ہیں تو یہ ان خوابوں سے اور ان تصورات سے چھٹکارا نہیں پا سکتے۔ جو ان کے سینوں کے اندر زندہ رہتے ہیں۔ اور اب تک ہیں، اور اب جن کا مقدر یہ ہے کہ حقائق کی چٹانوں سے ٹکرا ٹکرا کر ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں۔

انسان کے اتنے عزیز خواب پاش پاش ہو چکے ہیں۔ تو وہ خود بھی جینے کی سکت سے بہت
حد تک محروم ہو جاتا ہے۔ یہی صورت ان لوگوں کی بھی ہوتی ہے۔ ان لوگوں کی جو لال قلعہ سے لالوکھیت
کی طرف رواں ہیں۔

خواجہ صاحب کو ان سوختہ قسمت افراد سے ہمدردی ہے یا نہیں ہے۔ مگر یہ ضرور کہا جا سکتا ہے
کہ ہر بالغ نظر اور باشعور مصنف کی ہمدردی اپنے کرداروں سے لازماً ہوتی ہے اور یہ ہمدردی تقاضا
کرتی ہے کہ وہ اپنے کرداروں کو اس انداز سے پیش کرے کہ وہ وہی کچھ ہو جائیں جو وہ دراصل ہیں۔ اگر
اگر ایک مصنف اپنے کردار کی "سچائیوں" سے صرف نظر کر لیتا ہے تو کہا جا سکتا ہے کہ اسے اپنے
کرداروں سے ہمدردی نہیں ہے۔

خواجہ صاحب اس مقام سے جہاں سے ہجرت کا سفر شروع ہوتا ہے۔ اپنے کرداروں کے ساتھ ساتھ
قدم اٹھاتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ وہ بار بار ان کے اندر جھانک کر یہ معلوم کرتے ہیں کہ ان کے باطن
میں کیسا کیسا طوفان برپا ہیں۔ اور کیسی کیسی کشمکش طاری ہے۔ کیا کیا ٹوٹ پھوٹ ہو رہی
ہے۔

لال قلعے کے ان باسیوں کے سفرِ ہجرت کی ایک ایک منزل اور ایک ایک مرحلہ خواجہ صاحب کے
پیشِ نظر رہتا ہے راستے کی دشواریاں ان نازک مزاج مسافروں کے لئے بڑی کٹھن آزمائشیں لے
کر آتی ہیں۔ اور ان مہاجرین کا ردِعمل کیا ہوتا ہے۔ خواجہ صاحب ہر ہر واقع، ہر ہر کیفیت اور ہر ہر ردِعمل کی
نشاندہی کرتے چلے جاتے ہیں۔

خیال رہے کہ کراچی کا وہ علاقہ جسے لالوکھیت کہتے ہیں۔ اس زمانے میں جب یہ ڈرامہ
لکھا گیا تھا ایک بڑا پس ماندہ علاقہ تھا۔ اب لال قلعہ سے لالوکھیت تک کی معنویت پوری طرح
اجاگر ہو جاتی ہے۔

یہ ڈرامہ اپنی نوعیت کے لحاظ سے ایک المیہ ہے مگر خواجہ صاحب اس حقیقت سے
خوب واقف ہیں کہ انسانی فطرت دیر تک ایک موثر سے موثر اور دردناک سے دردناک کیفیت
برداشت نہیں کر سکتی۔ اس لئے انہوں نے ڈرامے کی داخلی بوریت کم کرنے کے لئے اپنے کرداروں
کو ایسے ایسے واقعات کی زد میں دکھایا ہے کہ ان کے قاری کے اندر خود بخود بشاشت سی ابھر جاتی

ہے اور پھر ان کے کرداروں کا مکالمہ — چٹ پٹے فقرے، خاص خاص محاورے، خاص خاص لب و لہجہ۔ ڈرامے کی کشش کم ہونے میں نہیں آتی بلکہ بڑھتی چلی جاتی ہے۔

میں سمجھتا ہوں خواجہ معین الدین کا یہ کھیل اُردو کے زندہ کھیلوں میں شامل رہے گا۔ اسے دیکھا بھی شوق سے جائے گا، اور پڑھا بھی دلچسپی سے جائے گا۔

لال قلعہ سے لالو کھیت

خواجہ معین الدین

پہلا منظر

نواب دلبر شاہ کا دیوان خانہ

دیوان خانے میں صوفہ سیٹ رکھا ہے۔ بڑے صوفے کے داہنی طرف اسٹول پر حقّہ ہے
ایک کنارے پر میز ہے۔ جس پر ریڈیو رکھا ہے۔

نواب دلبر شاہ بڑے صوفے پر عینک لگائے بیٹھے ہیں۔ اخبار پڑھ رہے ہیں۔ ململ کا
لانبا کُرتا، چوڑی دار پاجامہ اور واسکٹ پہنے ہوئے ہیں۔ سر پہ دو پلّی ٹوپی ہے اور پیروں
میں سلیم شاہی جوتیاں۔

دِلبرشاہ : (اخبار بازو رکھتے ہوئے) جیسی سبحان اللہ! جی خوش کر دیا۔
ان پاکستان والوں نے . . . . . (پکارتا ہے) چھوٹے نواب!
اماں چھوٹے نواب۔ اب اِس ہندوستان میں تو دِل نہیں لگے گا۔
دِلبرشاہ کا۔ قسم اللہ پاک کی! جی چاہتا ہے پَر لگا کر پھُر سے اُڑ جاؤں اور
سیدھے کراچی پہونچکر دم لوں۔
چھوٹے نواب : (داخل ہوتا ہے۔ ململ کا کرتا، چوڑی دار پاجامہ،
واسکٹ، پیروں میں سلیم شاہی جوتی اور ننگے سر) جی! بجا ارشاد ہوا!
دِلبرشاہ : (چونکتے ہوئے) بجا ارشاد! کاہے کا بجا ارشاد! کتنی دفعہ
کہہ چکے ہیں جی تم سے کہ یہ کرستانوں کی وضع چھوڑو۔ تمہارے
خاندان میں بھی کوئی ننگے سر بزرگوں کے سامنے آیا ہے؟ (سمجھاتے
ہوئے) ٹوپی پہن لو برخوردار! ننگے سروں پہ تاجِ برطانیہ کا سایہ
ہوتا ہے۔
چھوٹے نواب : جی!
دلبرشاہ : ہاں تاجِ برطانیہ کا! اود لاحول ولاقوۃ! یہاں اخبار میں تاجِ
برطانیہ لکھا تھا وہی میں نے بھی دُہرا دیا۔ میرا مطلب ہے شیطان

نامراد کا سایہ ہوتا ہے۔ ٹوپی پہن لو۔ اور ذرا یہ پاکستان کا اخبار پڑھو۔ قسم اللہ کی رُوح خوش ہو جائے گی۔

[چھوٹا نواب جیب سے ٹوپی نکالتا ہے تو سگریٹ کا پیکٹ اور تاش کے پتے گر پڑتے ہیں۔]

دِلبر شاہ : (اس طرف دیکھ کر) ہائیں! یہ کیا؟ چھوٹے نواب تم سگریٹ بھی پینے لگے؟

چھوٹے نواب : (اخبار اٹھاتے ہوئے) جی کہاں ہے وہ خبر؟

دِلبر شاہ : ہائیں! تمہیں خبر نہیں؟ پھر یہ کہاں سے آ گئے! اور یہ تاش کے پتے! لاحول ولا قوۃ!

چھوٹے نواب : جی میں بھی تو یہی عرض کر رہا ہوں۔

دِلبر : تم کیا خاک عرض کر رہے تھے! آخر یہ چیزیں آئیں کہاں سے؟ کیا آسمان سے تاش کے تختے برس رہے ہیں؟

نواب : جی! میں خود حیران ہوں۔

دِلبر : دیکھو میاں صاحبزادے! ہائیں! ابھی ننگے سر ہی کھڑے ہو (نواب ٹوپی پہن لیتا ہے) یہ کرستانوں اور کافروں کے کھیل ہمیں سخت ناپسند ہیں۔ دھواں پینے کو جی چاہتا ہے تو حقہ پیا کرو ہمیں کوئی اعتراض نہیں۔ وقت بے وقت دِل بہلانے کو جی چاہے تو ہمارے ساتھ چوسر اور پچیسی کھیل لیا کرو۔ لیکن یہ تاش! لاحول ولا قوۃ۔

نواب : لیکن ابا حضور اس میں میرا کوئی قصور نہیں ہے۔

دِلبر : تو کیا ہمارا قصور ہے جو خون پانی ایک کر کے تمہاری پرورش

کر رہے ہیں۔

نواب : دیکھئے نا! میں دراصل آپ کے مصرعے پر مصرعہ لگا رہا تھا۔ فکرِ شعر میں غرق تھا۔ نہ جانے کس نے میری جیب میں یہ سب کچھ ڈال دیا۔

دلبر : فکرِ شعر! ہمیں یہی امید تھی۔ دلبر شاہ کا فرزند اور کرستانوں کے سگریٹ پیئے۔ ناممکن۔

(برابر کے کمرے سے آواز آتی ہے)

آواز : ارے بھائی چھوٹے نواب! بازی رکی ہوئی ہے۔ پتّے لیکر آؤ۔

(نواب یہ آواز سُنکر گھبرا جاتا ہے۔ اور گھبراہٹ میں اخبار لیتے ہوتے۔)

نواب : تو اس اخبار کے متعلق آپ کچھ عرض کر رہے تھے۔

دلبر : عرض کر رہے تھے۔ اماں عرض کر رہے تھے یا فرما رہے تھے۔ از برائے خدا زبان کی مٹّی تو پلید نہ کرو ورنہ لوگ کیا کہیں گے۔ استادِ سخن دلبر شاہ کا فرزند اور ایسا بے سُرا۔

(برابر کے کمرے سے پھر آواز آتی ہے)

آواز : چھوٹے نواب! تمہاری طرف سے بلائنڈ کھیل رہا ہوں۔

دلبر : (حیرانی سے) بلائیں! یہ بلائیں کس کی لی جا رہی ہیں؟

نواب : (گھبراہٹ سے) جی! وہ مصرعے والی بات . . . . .

دلبر : مصرعے والی بات؟ بلائیں والا قافیہ میں نے کب دیا تھا؟

نواب : جی وہ شہر کے نوجوان شعراء ہیں نا وہ آپ کے مصرعے پر مصرعہ لگا رہے ہیں۔

دِلبر : لگا رہے ہیں تو جھک مار رہے ہیں ۔ میں کہتا ہوں یہ بلائیں کیا بات ہوئی ؟

نواب : جی میرا مطلب ہے زمین بڑی سخت ہے ۔

دِلبر : اور آسمان بہت دور ! کمبخت کہیں کے ۔

نواب : جی نہیں ! میرا مطلب ہے آپ کی غزل کی زمین بڑی سخت ہے ۔ جس پایے کا آپ کا مصرعہ ہے بغیر میری مدد کے وہ اِس پایے کا مصرعہ لگا ہی نہیں سکتے ۔

دلبر : بھلا وہ کیسے لگا سکتے ہیں جی ! تمہیں پہلے ہی سمجھ لینا چاہیئے تھا خاندانی مصرعہ ہے ! دِلبر شاد کے مصرعے پر دِلبر شاد کی اولاد ہی مصرعہ لگا سکتی ہے ۔ خیر بیٹھو ۔

نواب : جی ؟

دلبر : جی کیا ! بیٹھ جاؤ ۔ اور یہ پاکستان کا اخبار پڑھو اور غور کرو کہ ہندوستان اور پاکستان ....

[برابر کے کمرے سے آواز آتی ہے]

آواز : بکسم گلاموں کی جوڑی آئی ہے ۔

نواب : (گھبرا کر) کون ہے بے ؟ غلام کِسے کہتا ہے ۔

دلبر : غلاموں کی جوڑی ! یعنی کون ؟ ہم اور تم ! دونوں پر حملہ ! کون بدمعاش گھر میں گھس آیا ہے ؟

[دلبر شاد کا داماد ڈاکٹر سُوٹ میں ملبوس داخل ہوتا ہے]

ڈاکٹر : نواب صاحب ! کیا میں آسکتا ہوں ؟

دلبر : کون ہے بے شیطان ۔

ڈاکٹر : جی ؟

دلبر : اوہ ! ڈاکٹر بیٹا تم ہو ۔ آؤ آؤ مگر یہ کیا شرارت مچائی تھی تم نے ؟

ڈاکٹر : شرارت ؟ (چھوٹے نواب کی طرف دیکھتا ہے) کیسی شرارت ؟

[چھوٹا نواب اشاروں اشاروں میں ڈاکٹر کو سلام کرتا اور اپنی تائید کی التجا کرتا ہے ۔]

ڈاکٹر : (سمجھتے ہوئے) اوہ !

دِلبر : ہاں ! اچھا یاد آیا ۔ بھئی کمال کر دیا اِن پاکستان والوں نے ۔ ڈاکٹر بیٹا سُنو تو کیا لکھا ہے پاکستانی اخبار نے ۔ ہاں چھوٹے نواب پڑھو !

نواب : نہیں ڈاکٹر تمہی پڑھو ۔ میں کئی بار پڑھ چکا ہوں ۔

ڈاکٹر : (اخبار پڑھتا ہے) آج سومناتھ کے مندر کے افتتاح کے دِن پاکستان میں پیدا ہونے والے ایک سو بتیس (۱۳۲) بچوں کا نام محمود غزنوی رکھا گیا ۔

دِلبر : آہا ! ہاہا ! خدا خوش رکھے ۔ ۱۳۲ محمود غزنوی ۔ بیٹھو بیٹھو ! ڈاکٹر میاں ۔ سبحان اللہ ! جی خوش کر دیا ۔ اب بتاؤ ڈاکٹر میاں ! اس ہندوستان کا کیا ہو گا ۔ اِن کے باپ دادا ایک محمود غزنوی کا مقابلہ نہ کر سکے تھے چہ جائیکہ پاکستان نے ایک ہی دِن میں (۱۳۲) محمود غزنوی پیدا کر دیئے ۔ کیا جنگی تیاری ہے پاکستان کی ! واللہ مزا آ گیا ۔

[حقے کی طرف متوجہ ہوتا اور چلم چھوتا ہے ۔ ایک جھٹکے سے ہاتھ ہٹا لیتا ہے ۔]

دِلبر : اُف! لاحول ولاقوۃ! یہ مردود چلم تو ابھی تازہ ہے۔ چھوٹے نواب ذرا رومال تو دینا۔

[چھوٹے نواب جیب سے رومال نکال کر دیتا ہے۔ دلبر شاد اُسے جھٹکتا ہے تو ایک پڑیا، ایک چٹھی اور ایک مانجھے کا لچھا گرتے ہیں۔ چھوٹے نواب اِن چیزوں کو اٹھانے کے لیے جھکتا ہے۔]

دلبر : یہ کیا بدتمیزی ہے۔ ہمارے سامنے سے اٹھاتے ہو؟

نواب : جی!!

دلبر : بیٹھ جاؤ! ارے یہ کیا! مانجھے کا لچھا! ہاہاہا! خُدا مغفرت کرے ابا حضور نے میرے ہاتھ میں سفید مانجھے کا لچھا دیکھکر کہا تھا یہ جارج پنجم کی مونچھیں کہاں سے لائے ہو! ہاہاہا! اور یہ پڑیا

[چھوٹا نواب پڑیا اُٹھانے کی کوشش کرتا ہے۔ دلبر شاد اُس کا ہاتھ پکڑ لیتا اور خود پڑیا اٹھا لیتا ہے۔]

دلبر : (پڑیا کھولکر سونگھتے ہوئے) ہائیں! اِس میں تو گانجے کی بو آتی ہے چھوٹے نواب!

نواب : جی!

دلبر : کیا تم گانجہ پیتے ہو؟

نواب : آپ کے سرِعزیز کی قسم وہ تو وہ تو......

دلبر : (چٹھی اٹھاتے ہوئے) یہ کیا ہے۔ چٹھی (کھولکر پڑھتا ہے)۔ میرے پیارے نواب! آج رات نہ آؤ گے تو مر جاؤں گی۔ بڑی مشکل سے وہس۔ وہس۔ وہسکی فراہم کر سکی ہوں۔ تمہاری چنچل

کماری ــــــــ چھوٹے نواب!

نواب : جی یہ سب کسی دشمن کی کارستانی معلوم ہوتی ہے۔

ڈاکٹر : جی ہاں! یہ کسی دشمن کی کارستانی معلوم ہوتی ہے نواب صاحب۔

دلبر : دشمن، دشمن! کون دشمن! دشمن ہوتا تو گولی مار دیتا یا خنجر گھونپ دیتا۔

ڈاکٹر : غالباً وہ زہر دینا چاہتا تھا۔ گانجہ زہر ہی تو ہے نواب صاحب۔

دلبر : زہر! ارے ہاں گانجہ زہر ہی تو ہے۔ چھوٹے نواب تم نے استعمال تو نہیں کیا؟

نواب : جی نہیں ابا حضور!

دلبر : اللہ نے بچا لیا! اب میں سمجھا اصل بات کیا ہے؟

ڈاکٹر : اصل بات کیا ہے نواب صاحب؟

دلبر : چھوٹے نواب کی جیب میں گانجہ رکھنے میں ہندوستانی حکومت کا ہاتھ معلوم ہوتا ہے۔

نواب : جی بجا ارشاد ہوا۔

دلبر : ہوں تو ڈاکٹر میاں! تم پاکستان کب جا رہے ہو؟

ڈاکٹر : جی بس! اسی ہفتے۔

دلبر : اسی ہفتے! لیکن رضیہ بیٹی کا کیا ہوگا۔

ڈاکٹر : رضیہ کو بعد میں بلوا لونگا۔

دلبر : بعد میں بلا لو گے! یہ بھی ٹھیک ہے۔ لیکن چھوٹے نواب کو بھی اپنے ساتھ لیتے جاؤ۔

ڈاکٹر : ساتھ لے جاؤں؟ کہاں؟

دلبر : پاکستان !

ڈاکٹر : پاکستان ؟

دلبر : ہاں ! پاکستان !

ڈاکٹر : لیکن نواب صاحب ....

دلبر : لیکن ویکن کچھ نہیں ۔ یہ کفار دشمن میرے خاندان کی عزت کے درپے ہو گئے ہیں ۔ آج اس معصوم کی جیب میں یہ سب کچھ ڈالدیا کل میری جیب میں ڈال کر پولس چوکی میں بٹھا دینگے ۔ چھوٹے نواب جاؤ پاکستان جانے کی تیاری شروع کر دو ۔

ڈاکٹر : (نواب کو روکتے ہوئے) لیکن یہ پاکستان جاکر کیا کریں گے نواب صاحب ؟

دلبر : اور تم پاکستان کیوں جانا چاہتے ہو ؟

ڈاکٹر : میں وہاں جاکر کچھ نہ کچھ کر سکتا ہوں ۔

دلبر : یہ بھی کچھ نہ کچھ کر ہی لے گا ۔

ڈاکٹر : لیکن کیا کریں گے یہ ؟

دلبر : اور تم کیا کروگے ؟

ڈاکٹر : میں ڈاکٹر ہوں نواب صاحب ۔

دلبر : اور یہ شاعر ہے ڈاکٹر میاں ۔ دل لگی نہیں ۔

ڈاکٹر : لیکن شاعری سے کیا ہو سکتا ہے ؟

دلبر : اور ڈاکٹری سے کیا ہو سکتا ہے ؟

ڈاکٹر : میرا مطلب ہے شاعری شاعری ہے ۔

دلبر : تم چھوٹے نواب کی توہین کر رہے ہو ۔ ڈاکٹر کیا تم اسے شاعر

نہیں سمجھتے۔ چھوٹے نواب سلمۂ

نواب : جی حضورِ محترم!

دلبر : میرے مصرعے پہ جو تم نے مصرعہ لگایا ہے نا!

نواب : جی حضورِ اقدس!

دلبر : ذرا سُناؤ تو انہیں۔ہاں مصرعہ کیا تھا؟ اوہ ہاں۔ کیا طرح مصرعہ دیا ہے۔ گدگدایا جو انہیں نام کسی کا لیکر
گدگدایا جو اُنھیں نام کسی کا لیکر۔ ہاں چھوٹے نواب۔

نواب : جی عرض کیا ہے۔گدگدایا جو انہیں... گدگدایا جو اُنہیں نام کسی کا لیکر
مُسکرانے لگے وہ مُنھ پہ دوپٹہ لیکر

دلبر : اے سبحان اللہ! سبحان اللہ! مسکرانے لگے وہ منھ پہ دوپٹہ لیکر۔ کیا شرم وحیا کا عالم ہے۔ اسی کا نام ہندوستانی تہذیب ہے۔ ڈاکٹر میاں! مسکراؤ لیکن پردہ کر کے مسکراؤ۔ سازش کرو لیکن در پردہ۔ مان گئے تمہارا لوہا۔ دلبر شاہ کا لختِ جگر ہے۔ مسکرانے لگے وہ منھ پہ دوپٹہ لے کر۔ سبحان اللہ! وہی رنگ ہے! بالکل دادا حضور کا رنگ! خدا سلامت رکھے۔ چھوٹے نواب! ذرا اِدھر آنا تو۔
[اُٹھ کر چھوٹے نواب کی پیشانی کو بوسہ دیتا ہے]
خدا نظرِ بد سے بچائے۔ اب کہو ڈاکٹر میاں! ابھی میں تو کہتا ہوں کہ پاکستان اس کے پیروں میں بچھ جائے گا۔ یہ شاعری نہیں ساحری ہے ساحری۔

ڈاکٹر : اب میں کیا کہہ سکتا ہوں۔

نواب : (بیٹھتے ہوئے) اور تم شاعری کے بارے میں کہہ بھی کیا سکتے ہو!

ڈاکٹر : لیکن نواب صاحب میری مانیے تو انہیں پاکستان مت بھیجیے۔

دلبر : اس لیے کہ یہ شاعر ہے ؟

ڈاکٹر : جی میرا مطلب یہ نہیں ہے۔ میرا مطلب تو........

دلبر : میاں صاحب زادے تم تو ابھی بچے ہو۔ شاعری کو مذاق سمجھتے ہو۔ جانتے ہو پاکستان کس نے بنایا ہے ؟

ڈاکٹر : جی ! قائدِ اعظم نے۔

دلبر : ہا ہا ہا ! تم تو پاکستان کی الف بے سے بھی ناواقف ہو۔ چھوٹے نواب ! بتاؤ تو پاکستان کس نے بنایا ہے ؟

نواب : جی علامہ اقبال نے۔

ڈاکٹر : اوہ ! تو گویا آپ اسی لیے چھوٹے نواب کو پاکستان بھیج رہے ہیں ؟

دلبر : اور کیا ! اماں اور کچھ نہیں تو ایک اسلامی ملک کی خدمت ہی کرے گا۔ اور شاعری خدمت ہی تو ہے ڈاکٹر میاں۔ تم تو اُس وقت بچے تھے تمہیں کیا معلوم مولانا محمد علی جوہر، مولانا شوکت علی گوہر حسرتؔ موہانی اور کیا نام لیا تھا تم نے۔ ہاں ہاں علامہ اقبال۔ اجی اور تو اور یہ اپنا بُلبُل ہے نا...... یہی منور علی بُلبُل کہتے تھے کہ قائدِ اعظم بھی انگریزی میں شاعری کرتے تھے اور ولایت کے مشاعرے لوٹ لیتے تھے۔

ڈاکٹر : جی !

دلبر : چھوٹے نواب تم جاؤ۔ اور اس طرف کسی کو مت آنے دو۔ میں ذرا ڈاکٹر میاں کو ایک راز کی بات بتاتا ہوں۔

نواب : جی مناسب (اپنی چیزیں اٹھانے کے لیے جھکتا ہے)

دلبر : چھوٹے نواب! یہ کیا بدتمیزی ہے۔

(نواب چونک کر سیدھا کھڑا ہو جاتا ہے۔ جھک کر تسلیم بجالاتا۔ اور اُلٹے پاؤں چلتا ہوا ونگ میں چلا جاتا ہے۔ دلبر شاہ بغور اُس کی حرکت کو دیکھتا ہے۔)

دلبر : کتنا سعادتمند ہے۔ اتنی عمر ہو گئی مگر کیا مجال جو کسی حکم سے سرتابی کی ہے۔ اجی اور تو اور ڈاکٹر میاں ادب و احترام اتنا کہ میری طرف پیٹھ کرنا بھی گوارا نہیں کرتا۔ ابھی تم دیکھ رہے تھے نا! کیسے قرینے کی بازگشت تھی۔ ایسا سلیقے سے پاؤں پیچھے رکھتا تھا جیسے مور ناچ رہا ہو۔ بھئی سبحان اللہ! اور شرم و حیا اِس غضب کی کہ ایک دفعہ میں نے کہا چھوٹے نواب پاکستان کیوں نہیں چلے جاتے۔ کہنے لگا آپ کا حکم سر آنکھوں پر لیکن سُنا ہے کہ وہاں جوان جوان لڑکیاں بغیر پردہ کیے سڑکوں پر نکل آتی ہیں۔ وہاں جا کر تو میں شرم سے گڑ جاؤں گا ابا حضور۔ بھئی سبحان اللہ! معصوم ابنِ معصوم خدا ہر جاندار کو ایسی اولاد دے مسلمان کی یہی شان ہوتی ہے۔ الحیاء والایمان۔ کل من علیھا فان۔

ڈاکٹر : جی

دلبر : قسم وحدہٗ لاشریک کی ایسے سعادتمند بچے کو تو ایک منٹ کے لیے بھی ان کافروں میں نہ رکھوں۔ اگر وہ اسی قرینے اور انداز سے مور کی طرح چلتا ہوا پاکستان کی سرکار دربار میں داخل ہوگا تو کتنی ترقی کرے گا۔ یہاں کیا ہے نہ ادب نہ لحاظ، نہ نماز نہ روزہ، یہاں رہ کر

بگڑ نہ جائے گا میرا چھوٹا نواب۔

ڈاکٹر : یہاں کون سی روزے نماز پر پابندی لگی ہے جو آپ چھوٹے نواب کو پاکستان بھیجنا چاہتے ہیں۔

دلبر : کون سی پابندی ؟ اماں تم ملحد تو نہیں ہو گئے ؟ تبلیغ اسلام کرو تو جیل، گائے کی قربانی کرو تو جیل، ایک سے زیادہ شادیاں کرو تو جیل۔ ابھی ہم تو کہتے ہیں کہ ہم اپنے اباحضور کی تیسری بیوی کے پہلے فرزند ہیں۔ اگر اُس زمانے میں بھی کمبخت ایسی ہی حکومت ہوتی تو دلبر شاہ کیا جیل میں پیدا ہوتے ؟ نہیں نہیں ذرا غور کرنے کی بات ہے۔ یہ جو میں تمہارے سامنے بیٹھا ہوں چراغ لیکر ڈھونڈھے سے بھی کہیں نظر آ سکتا تھا ؟ کیا اِسلام دلبر شاہ سے محروم نہ ہو جاتا۔

ڈاکٹر : جی :

دلبر : کل ہی منور علی بلبل کہہ رہے تھے کہ اب تو مسجدوں کے سامنے باجے تاشے بھی بجنے لگے ہیں۔

ڈاکٹر : لیکن آپ مسجد جاتے ہی کب ہیں نواب صاحب ؟

دلبر : ابھی ہم مسجد نہیں جاتے تو یہ ہماری خاندانی وضعداری ہے۔ مسجد تو ہمارے باپ دادا بھی نہیں جاتے تھے۔ کیا نواب تیغ جنگ خنجر الدولہ قاطع بُرہان کی اولاد جھگن، جُمن، رلّو اور اللہ بخش دھوبی کے کندھے سے کندھا ملا کر کھڑی ہو جائے گی ؟ واہ جی واہ ! آخر خاندان اور عزت بھی تو کوئی چیز ہے۔

ڈاکٹر : نواب صاحب ! پاکستان میں تو آپ کو ان ہی لوگوں کے کندھے سے کندھا ملا کر کھڑا ہونا پڑیگا۔ اسلام تو مساوات کا مذہب ہے۔

دلبر : اب خاموش رہو صاحبزادے۔ تم یہ بتاؤ تم مجھ سے چھوٹے ہو یا میں تم سے ؟ اگر تم چھوٹے ہو تو میرا حکم مانو ورنہ مجھے حکم دو۔ دو۔ دیتے کیوں نہیں۔

ڈاکٹر : فرمائیے! میں آپ کا حکم ماننے کو تیار ہوں۔

دلبر : تو بس! اپنے ساتھ چھوٹے نواب کو بھی پاکستان لے جاؤ۔ اللہ کے فضل سے اپنی اسلامی مملکت ہے۔ وہاں جاکر بتاؤ کہ ہم دلبر شاہ خلفِ تیغ جنگ خنجر الدولہ قاطع برہان کی اولاد ہیں تو انشاء اللہ اگر کچھ نہیں تو بارہ پندرہ گاؤں کی جاگیر تو چٹکی بجاتے مل جائے گی۔

ڈاکٹر : اب میں کیا عرض کروں!

دلبر : ہاں لیکن جاؤ گے کس طرح؟ وہ کیا کہتے ہیں۔ کوئی انگریزی چیز ہے! وہ ہے تمہارے پاس ؟

ڈاکٹر : جی میں سمجھا نہیں۔

دلبر : ارے بھئی وہی۔ وہ انگریزی چیز جس کے بغیر پاکستان میں داخلہ نہیں ہوتا!

ڈاکٹر : پاسپورٹ ؟

دلبر : ہاں پاسپورٹ! وہ تمہارے پاس ہے ؟

ڈاکٹر : میں کھوکھراپار سے جاؤں گا نواب صاحب۔

دلبر : یہ کوئی نئی سواری نکلی ہے کیا ؟

ڈاکٹر : جی یہ ایک گاؤں کا نام ہے جو پاکستان کی سرحد پر ہے۔

دلبر : گاؤں کا نام! میاں صاحبزادے بزرگوں ہی سے مذاق!

ڈاکٹر : جی میں سچ عرض کر رہا ہوں۔

دلبر : کیا نام کہا تم نے؟

ڈاکٹر : کھوکھراپار

دلبر : (اُٹھ کھڑا ہوتا ہے) لاحول ولاقوۃ! کیا کرختگی ہے اس نام میں۔ یہ بھی کوئی نام ہے۔ اگر ایسا ہی نام رکھنا تھا تو بیڑا پار رکھ لیتے۔ یہ کھوکھرا پار کیا بات ہوئی۔

(چھوٹے نواب داخل ہوتا ہے۔)

نواب : اباحضور!

دلبر : تم چپ رہو جی! ہر معاملے میں ٹانگ نہ اڑایا کرو۔

نواب : بلبل چچا آئے ہیں۔

دلبر : ہاہاہا! کیا اہم خبر سنانے آئے ہیں آپ۔ اباحضور بُلبُل چہچہا رہے ہیں۔ از برائے خدا زبان کی تو مٹی پلید نہ کرو۔ بُلبُل بھی کہیں چہچہاتا ہے چھوٹے نواب؟

نواب : جی بلبل .....

دلبر : ہاں ہاں! آج میری زندگی میں کہہ رہے ہو بلبل چہچہا رہے ہیں۔ کل میرے مرنے کے بعد کہو گے بلبل کوک رہی ہے۔ بلبل پیہو پیہو کر رہی ہے۔ امان خدا کے واسطے اپنے خاندان کا تو خیال کرو۔

نواب : اباحضور میں بُلبُل چچا کا ذکر کر رہا ہوں۔

دلبر : یہ لو جب کچھ سمجھ میں نہ آیا تو بلبل کو چچا بنالیا۔ کل کو اباحضور

نواب : ابّا حضور مجھے بات کرنے کا تو موقعہ دیجیے۔
دلبر : ہاں دیا موقعہ۔
نواب : مولوی منور علی بلبل تشریف لائے ہیں۔
دلبر : اوہ! مولوی منور علی بلبل آئے ہیں۔ ہا ہا ہا! کیا غلط فہمی ہے! اماں تم نے انہیں پہلے ہی کیوں نہ بھیج دیا۔ کیا میں بلبل سے کھٹی پر دہ کرتا ہوں چھوٹے نواب؟
نواب : جی ان کے ساتھ پولیس کے سپاہی جو تھے۔
دلبر : بلبل کے ساتھ پولیس کے سپاہی۔ کیا غیر شاعرانہ بات کرتے ہو۔
نواب : جی وہ چلے بھی گئے۔
دلبر : آئے بھی اور چلے بھی گئے؟
نواب : جی پولیس کے سپاہی چلے گئے۔ بلبل چچا یہیں بیٹھے ہیں۔
دلبر : یہیں بیٹھے ہیں۔ بھیج دو، یہیں بھیج دو انہیں۔
نواب : واپس بھیج دوں۔
دلبر : لاحول ولاقوۃ! ارے یہاں بھیج دو چھوٹے نواب۔ واپس کیوں بھیج رہے ہو۔
نواب : جی مناسب۔

(چلا جاتا ہے۔)

دلبر : ڈاکٹر میاں جانتے ہو مولوی منور علی بلبل کو؟ آہا ہا کیا غضب کا عالم کل ہے اور کیا غضب کا شاعر ہے۔ ظالم کے ایک شعر کا تو انگریزی میں ترجمہ ہوا ہے۔ لکھا ہے! کیا لکھا ہے۔ اوہ

اس چمن میں کباب کی بُو ہے دِل بُلبُل جلا دیا کِس نے

آہاہا! دلِ بلبل پر خدا کی رحمتیں نازل ہوں کیا نازک شعر لکھا ہے۔

(بلبل داخل ہوتا ہے۔ پھولدار شیروانی، چوڑی دار پاجامہ، سر پر دو پلی ٹوپی، پیر میں سلیم شاہی جوتی، ہاتھ میں لکڑی۔ انگلیوں میں انگوٹھیاں چمکتی ہوئی۔)

بلبل : کیا نازک زمانہ آگیا ہے۔

دلبر : آیئے آیئے! یہاں بیٹھیے۔

بلبل : اب کیا بیٹھیں نواب صاحب! زندگی عذاب ہوتی جارہی ہے بس سمجھ لیجیے بلبل کچھ دیر کے مہمان ہیں۔

دلبر : آخر بات کیا ہوئی مولانا؟

بلبل : اجی بات پر لعنت بھیجیے! اتنی عمر گذر گئی ہم نے کبھی ایسی بات سُنی تھی؟

دلبر : آخر ہوا کیا مولانا۔

بلبل : جی آپ! آپ کس قبیل کی چیز ہیں۔

دلبر : اوہ مولانا بلبل اتنی جلدی ڈاکٹر میاں کو بھول گئے۔ ارے بھئی یہ تو میرا ہی لڑکا ہے۔ کوئی دو مہینے ہوئے ولایت سے آیا ہے۔

بلبل : اوہ ڈاکٹر میاں۔ یعنی آپ کے داماد۔ رضیہ بیٹی کے دُولہا۔ ولایت سے آگئے آپ؟

ڈاکٹر : (اٹھ کر سلام کرتا ہے اور بیٹھ جاتا ہے) جی

بلبل : لیکن گستاخی نہ ہو تو پوچھوں کہ واپس آنے کی کیا ضرورت تھی؟

ڈاکٹر : جی!

بلبل : اجی اس ہندوستان میں کون سے سرخاب کے پر لگے ہیں۔

جو یہاں رہتے ہیں کون سے سکون میں ہیں جو آپ ولایت سے تشریف لے آئے ہیں۔

دلبر : اسی لیے تو اب یہ پاکستان جانے کا ارادہ کر رہے ہیں
بلبل : یہ ارادہ بھی کر رہے ہیں۔ پھر تو ٹھیک ٹھاک ہے۔
دلبر : آخر آج آپ اتنے پریشان کیوں نظر آ رہے ہیں۔ مولانا۔

بلبل : اب آپ ہی بتلائیے۔ ہماری اتنی عُمر گزر گئی ہم نے کبھی پولیس چوکی میں قدم رکھا تھا۔ خدا مغفرت کرے ایک دن حضرت والد صاحب مرحوم نور اللہ مرقدہٗ نے مجھے منشی تیرتھ رام فیروزپوری کا ناول پڑھتے ہوئے دیکھ کر کہا تھا۔ معلوم ہوتا ہے تم پولیس میں ملازم ہونا چاہتے ہو۔ میں نے اُسی وقت ایک نظم کہی تھی جس کا ایک شعر عرض کرتا ہوں۔

دلبر : ارشاد۔
بلبل : عرض کیا ہے۔ اِس بلبلِ ناشاد کا پولیس سے تعلق
دلبر : پولیس سے تعلق۔ واہ کیا کہنے۔
بلبل : ؎ اِس بلبلِ ناشاد کا پولیس سے تعلق
واللہ تغلّب ہے تعسّف ہے تملّق

دلبر : ارے سبحان اللہ سبحان اللہ کیا برجستگی ہے۔ بالکل میر انیس کا رنگ ہے۔ "قطرے کو جو دوں آب تو گوہر سے ملا دوں" سبحان اللہ۔

بلبل : آداب عرض کرتا ہوں۔
ڈاکٹر : لیکن وہ پولیس کا کیا معاملہ ہے مولانا۔

بلبل : اوہ لیجیے ۔ اصل بات تو ذہن سے ہی نکل گئی (اٹھ کھڑا ہوتا ہے اور دلبر شاہ کے بائیں طرف بیٹھ جاتا ہے) تو ہوا یہ کہ آج اچانک چار چار پولیس کے سپاہی میرے مکان پر آدھمکے اور مجھ غریب کو نرغے میں لے کر کہا "چلو پولیس چوکی"۔ ارے کیوں! آخر کیوں! کیا مجال جو کوئی جواب دے ۔ جیسے کمبختوں کے منھ میں زبان ہی نہیں خیر صاحب گئے پولیس چوکی ۔ کوئی مردود ہے جو انسپکٹر بنا بیٹھا ہے ۔ کہنے لگا تم پاکستان کے جاسوس ہو ۔

دلبر : ارے یہ تو بڑے ظلم کی بات ہے ۔

بلبل : میں نے پوچھا آخر ایسے جھوٹے الزامات لگانے کا مقصد کیا ہے جی ۔ ظالم نے غصّے سے میری طرف دیکھ کر کہا "ہمارے پاس تمہارا سارا ریکارڈ موجود ہے ۔ ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ تمہارا ایک بھائی پاکستان گیلہے اور وہ تم کو جاسوسی کرنے کی ہدایت کرتا ہے ۔ اب آپ ہی بتلائیے نواب صاحب اِس الزام کا کوئی جواب ہے ۔

دلبر : اماں آپ تو اپنے باپ کے اکلوتے فرزند ہیں ۔ اس عمر میں آپ کا بھائی کہاں سے آگیا ۔

بلبل : اجی لطف کی بات تو یہی ہے نواب صاحب ۔ وہ پیدا بھی ہوا اور پاکستان چلا بھی گیا اور یہاں بلبلِ ناشاد کو اس کا علم ہی نہیں ہے ۔

ڈاکٹر : ممکن ہے کوئی غلط فہمی ہوئی ہو ۔

بلبل : غلط فہمی! یعنی آپ کا خیال ہے کہ میرے والد نے یہ راز مجھ سے چھپایا ہے ۔

دلبر : لاحول ولاقوۃ! بس بات طے ہوگئی مولانا کہ اب اس ملک میں ہمارا گذارا نہیں ہو سکتا۔

بلبل : ابھی بالکل نہیں ہو سکتا اور قطعی نہیں ہو سکتا۔ اس ملک میں ہماری زبان محفوظ ہے نہ تہذیب نہ جان نہ مال۔ بھلا یہاں رہ کر کیا کریں گے۔

دلبر : اسی لیے ہم چھوٹے نواب کو بھی ڈاکٹر میاں کے ساتھ پاکستان بھیج رہے ہیں۔

بلبل : اگر اجازت ہو تو یہ فدوی بھی چلا جائے۔

دلبر : ہاں آپ بھی جائیے۔ میں بہت جلد نیاز نذر کا انتظام کر کے آپ کو رخصت کر دوں گا۔

(چھوٹے نواب آتا ہے)

نواب : ابا حضور!

دلبر : کیا بات ہے چھوٹے نواب؟

نواب : پولیس کے سپاہی آئے ہیں۔ بلبل چچا کو بلاتے ہیں۔

بلبل : کہہ دو بلبل نہیں ہے۔

نواب : وہ مکان کی تلاشی لینا چاہتے ہیں۔

دلبر : اوہ! محض اس لیے کہ مولانا بلبل یہاں ہیں۔

نواب : جی ہاں۔

بلبل : ارے کیوں مذاق کر رہے ہو چھوٹے نواب۔ کسی اور کے لیے آئے ہوں گے۔

نواب : وہ آپ ہی کو پوچھتے ہیں۔

بلبل : ارے ان پوچھنے والوں پر خدا کا عذاب نازل ہو۔ کہہ دو بلبل مرگیا، کھپ گیا، مُڑگیا، اُڑ گیا۔

[ڈاکٹر اُٹھ کر اسٹیج کی بائیں طرف جاتا ہے اور کچھ دیکھنے کی کوشش کرتا ہے۔]

دلبر : گھبراتے کیوں ہیں آپ! چھوٹے نواب!

نواب : جی!

دلبر : تم بلبل چچا کے ساتھ جاؤ اور اُنہیں سمجھاؤ کہ بلبل چچا بے قصور ہیں۔

بلبل : تو میں جاؤں؟

دلبر : جائیے مولانا! ڈرتے کیوں ہیں آپ۔

بلبل : یعنی چلنا ہی پڑے گا؟

نواب : جی!

بلبل : یاالٰہی! یہ کون سی آزادی بخش دی ہے تو نے؟

[بلبل جاتا ہے۔ پردہ گرتا ہے]

دوسرا منظر

رات کا وقت۔ طوائفوں کے محلے کی گلی۔ دور سے طبلے، ہارمونیم اور گھنگھرو کی آوازیں آتی ہیں۔

بلبل چاچا ایک طرف دیوار سے لگے کھڑے ہیں گویا چھپنے کی کوشش کر رہے ہیں لباس وہی پہلے منظر والا ہے۔

ایک طرف سے پھول والا آتا ہے۔ جسم پر دھوتی، لانبا کرتا، پاؤں میں چپل پہنے ہے۔ ہاتھوں میں پھولوں کے گجرے ہیں۔]

پھول والا : (آواز لگاتا ہے) پھولوں کے گجرے، پتیم کے نکھرے، پاربتی کی خوشبو، کرسن کی مرلی، سینے کا نکھار، جوبن کا ابھار، لیتے جانا سرکار، چار چار آنے میں، سستا لگا دیا ہے۔ چار چار آنے میں۔

دوسری طرف سے پان والا آتا ہے۔ ململ کا کرتا، تنگ پاجامہ، واسکٹ، پیروں میں سلیم شاہی جوتے، گلے میں ریشمی رومال۔ پان کی کشتی گلے میں لٹکائے۔

پان والا : (آواز لگاتا ہے)۔ ہری ہری گلوریاں، اندر سبھا کی پریاں، دیکھنے میں سبز، خوشبو میں الائچی، کھانے میں لال دیو کا خون، سمٹے تو دلِ عاشق، پھیلے تو زمانہ ہے، قیمت ایک آنہ ہے، سرخرو ئی کا زمانہ ہے۔ دل والوں کے سودے میں۔ ہری ہری گلوریاں۔

(چھوٹے نواب ایک کوٹھے کی سیڑھیوں سے اترتا دکھائی دیتا ہے۔ پھولدار شیروانی، اُسی رنگ کی دوپلی، چُست پاجامہ، سلیم شاہی جوتیاں، ہاتھ میں ڈنڈا

ہے۔ انگلیوں میں چھلّے اور انگوٹھیاں ہیں۔)

بلبل : (تیز تیز قدم اُٹھاتا چھوٹے نواب کی طرف جاتا اور آواز لگاتا ہے) اماں چھوٹے نواب! او چھوٹے نواب!

نواب : کون ہے بے!!

بلبل : ارے ارے یہ کیا بات ہوئی۔ یہاں پولیس کے خوف سے پورے ایک گھنٹے سے چھپے کھڑے ہیں اور تمہارے انتظار میں مرے جا رہے ہیں اور تم کہتے ہو کون ہے بے! واہ!

نواب : اوہ! بلبل چچا! تسلیمات عرض کرتا ہوں!

بلبل : کیا خاک تسلیمات عرض کر رہے ہو جی! پہلے تو کہہ دیا کون ہے بے! اور اب تسلیمات عرض کر رہے ہو۔ لاحول ولاقوۃ۔

نواب : معاف کیجیے بلبل چچا! میں نے دیکھا نہیں تھا۔

بلبل : ارے بلبل تو پھر بلبل ہے میاں صاحبزادے۔ انسان نے تو خدا کو بھی نہیں دیکھا مگر عقل سے پہچان لیتا ہے اور تمہارے تو کانوں میں اذان بھی اسی بلبل نے دی تھی۔ آج اسی پر برا وقت آیا ہے۔ وہ پکار رہا ہے تو تم کہتے ہو کون ہے بے!!

نواب : لیکن آج آپ کی آواز بدل گئی ہے چچا۔

بلبل : اماں جب زمانہ ہی بدل گیا ہو۔ شریفوں کے پیچھے پولیس کے سپاہی پھر رہے ہوں تو آواز کیسے نہیں بدلے گی۔ اوہ! پولیس کے خوف سے میرے حلق میں کانٹے اُبھر رہے ہیں۔

نواب : واقعی بات تو پریشانی کی ہے بلبل چچا۔ اس پولیس انسپکٹر کو جانتے ہیں نہ آپ؟

بلبل : کون ؟ وہی جس کے یہاں (کمر کی طرف اشارے سے بتلاتے
ہوتے) پستول لگا ہوا ہے ۔

نواب : جی ہاں وہی ! وہ کمبخت تو بس آپ کی جان کا دشمن ہو
گیا ہے ۔

بلبل : میری جان کا ؟

نواب : ہاں کہتا تھا یہ تو پاکستان کا جاسوس معلوم ہوتا ہے اور جاسوسوں
کو تو آپ جانتے ہیں چن چن کر گولی مارنے کا حکم ہے ۔

بلبل : یا ارحم الراحمین ! کیا معاملہ گولی بارود تک پہنچ گیا ہے
چھوٹے نواب ؟

نواب : تو کیا میں جھوٹ عرض کر رہا ہوں قبلہ ؟

بلبل : بس اتنی سی بات پر کہ بلبل کے نام پاکستان سے ایک خط
آیا ہے حکومت گولی چلا دے گی ؟

نواب : آپ اتنی سی بات کہہ رہے ہیں بلبل چچا ۔ یہ جو آج کل کی حکومتیں
ہیں نا ۔ ان کو تو اتنے اختیارات ہیں کہ وہ بغیر کسی بات کے بھی
گولی چلا سکتی ہیں ۔

بلبل : ایسا ؟

نواب : اور کیا ! مثلاً یہ آپ کھڑے ہیں ۔ اس نے اٹھائی بندوق اور
.... (اپنا ڈنڈا بندوق کی طرح تان لیتا ہے) ۔

بلبل : ارے ارے ! یہ کیا کر رہے ہو ! یہ کیا کر رہے ہو !

نواب : میں دراصل آپ کو سچی بات بتا رہا ہوں !

بلبل : یہاں ہماری جان پہ بنی ہے اور تم بندوق تان رہے ہو ۔ کو

تدبیر کرو چھوٹے نواب! کوئی تدبیر کرو۔

نواب : بڑی دیر سے یہی بات سوچ رہا ہوں بلبل چاچا لیکن کسی پہلو چین نہیں آتا۔ اگر پیسوں کو اہمیت دیتا ہوں تو چاچا کی جان پر بنتی ہے۔ اگر جان کا خیال کرتا ہوں تو نہ جانے کتنے پیسے ہاتھ سے نکل جائیں۔

بلبل : تو کیا رشوت دینی ہوگی چھوٹے نواب؟

نواب : اب میں کیا عرض کروں۔

بلبل : لیکن چھوٹے نواب! کوئی ایسی تدبیر کرو صاحبزادے کہ نہ رشوت دینی پڑے اور نہ گولی ہی کھانی پڑے۔

نواب : یعنی دونوں چیزیں بچانا چاہتے ہیں آپ؟

بلبل : ہاں! تم نے میرے دل کی بات کہہ دی۔

نواب : تو بس ایک ہی طریقہ ہے چاچا!

بلبل : کہو کہو! کیا طریقہ ہے؟ میں تیار ہوں!

نواب : دو چار سال کی جیل۔ جان بھی محفوظ، پیسہ بھی محفوظ۔

بلبل : دو چار سال کی جیل؟

نواب : دو چار سال ہوتے ہی کتنے ہیں چاچا۔ دیکھتے ہی دیکھتے گذر جائیں گے۔

بلبل : دو چار سال کیا گذریں گے چھوٹے نواب۔ اس میں تو کچھ ایسا معلوم ہوتا ہے بلبل ہی جان سے گذر جائے گا۔

(پولیس کی سیٹی کی آواز آتی ہے)

نواب : فوہ! پولیس کی سیٹی! چاچا خدا حافظ!!

بلبل : ارے ترے میں یہاں کیا کروں بھیّا؟ اماں چھوٹے نواب! کوئی مشورہ

تو دو صاحبزادے! یا الٰہی یہ کون سی آزادی دے دی ہے تو نے!
چھوٹے نواب!

نواب : جلدی سے کہیے! کیا کہنا چاہتے ہیں آپ؟

بلبل : اب میرا کیا ہوگا بھیّا!

نواب : اوہ! کیا مصیبت ہے (دوڑتا ہوا ونگ کی طرف جاتا ہے۔ کچھ دیکھ کر واپس آتا ہے) جی پولیس ہی ہے۔

بلبل : پولیس ہی ہے؟

نواب : جی ہاں مسلح ہے!

بلبل : مسلح ہے؟

نواب : (پھر ونگ کی طرف دوڑتا ہے) اب کیا ہوگا؟ (واپس آکر) لیکن ایک تدبیر ہے۔

بلبل : تدبیر ہے؟

نواب : جی ہاں! آپ کے پاس سو دو سو روپے ہیں؟

بلبل : میرے پاس؟

نواب : اوہ! ظالم اِدھر ہی آرہے ہیں۔ خیر یہ انگوٹھی ہی دے دیجیے۔

بلبل : (انگوٹھی کو دیکھ کر) انگوٹھی؟

نواب : لاحول ولاقوۃ! دیر نہ کیجیے۔ لائیے۔ نکالیے۔ اسی کو رشوت میں دیئے دیتے ہیں۔

بلبل : (گھبرا کر) لے لو بھیّا، لے لو! مگر یہ مرحومہ کی نشانی تھی! آہ آزادی میّا تجھے دُور ہی سے سلام!! لے لو بھیّا!

(نواب انگوٹھی لے کر وِنگ میں چلا جاتا ہے۔ اسی وِنگ
سے پان والا آتا ہے۔)

پان والا : ہری ہری گلوریاں! اندر سبھا کی پریاں! دیکھنے میں سبز۔ خوشبو میں الائچی، کھانے میں لال دیو کا خون، سِمٹے تو دلِ عاشق، پھیلے تو زمانہ ہے۔ قیمت ایک آنہ ہے۔ دل والوں کے سودے ہیں، ہری ہری گلوریاں۔ اندر سبھا کی پریاں۔

(دوسرے وِنگ سے پھول والا آتا ہے)

پھول والا : پھولوں کے گجرے، پریتم کے نِکھرے، پاربتی کی خوشبو، کرشن کی مُرلی، سینے کا سنگھار، جوبن کا اُبھار، لیتے جانا سرکار، چار چار آنے ہیں۔ سستا لگا دیا ہے۔ چار چار آنے ہیں۔

(چھوٹے نواب اسٹیج پر آتا ہے)

بلبل : (چھوٹے نواب کو دیکھ کر) کیا بات ہے چھوٹے نواب۔ کیا بلا مل گئی؟

پان والا : گھبرائیے نہیں شاہ عالم! ابھی بلائیں لینے والی چھماچھم چھماچھم کرتی ہوئی آئیں گی تو ساری بلائیں چٹاچٹ چٹاچٹ مل جائیں گی۔ معلوم ہوتا ہے پہلی بار آئے ہیں اس لیے گھبراتے ہوتے ہیں۔ قسم اللہ پاک کی ایک گلوری کھالیجیے چودہ طبق روشن ہوجائیں گے۔

پھول والا : قسم بھگوان کی بھگت کبیر داس جی کہہ گئے ہیں کہ بڑھاپے کی پریت ہی اصل پریت ہے۔ تھوڑے دنوں میں یاری ہوجائے گی۔ ماں قسم ایک گجرا پہن لو میرے سرکار۔

بلبل : (اونچی آواز سے) لاحول ولاقوۃ! چھوٹے نواب! کہاں ہو تم؟

نواب : (قریب آتے ہوئے) جی قبلہ !

بلبل : یہ تم کس جہنم میں لے آئے چھوٹے نواب ۔

پان والا : ہے ہے ۔ خود بخود کو دپڑا آتش نمرود میں عشق ۔ ذرا بالا خانے پر تو نظر ڈالیے حضور ۔ عقل ہے محوِ تماشائے لبِ بام کھڑی ۔ ہری ہری گلوریاں ۔ اندر سبھا کی پریاں ۔

پھول والا : کسم بھگوان کی گجرے نہیں ہیں رکھیوں کی چھاتی پر لوٹنے والے سپولے ہیں سپولے ۔ اب کی ایک ہار پہن ہی لو سرکار . . . .

(بلبل دونوں کو دھکا دے کر نواب کے قریب پہونچ جاتا ہے)

نواب : ابے چپ ! دیکھتا نہیں بلبل چاچا کھڑے ہیں ۔

پھول والا : یہ پرانا بلبل کدھر سے لائے ہو چھوٹے نواب ۔ کسم بھگوان کی کھوب چیج ہے ۔

پان والا : کیا آج بلبل کو لے کر چنچل کماری کے پاس جائیں گے سرکار ؟

بلبل : یہ سب کچھ کیا ہو رہا ہے نواب ؟

نواب : میں بھی تو یہی سوچ رہا ہوں چاچا ! اس ملک میں شریفوں کی زندگی عذاب ہوتی جا رہی ہے ۔

(سیٹی کی آواز آتی ہے ۔)

بلبل : (گھبرا کر) چھوٹے نواب ! یہ پولیس تو نہیں ؟

پھول والا : نہیں چاچا ! چنچل کماری کی سیٹی ہے ۔ مال چادی بیٹی کھوب بجاتی ہے ۔

نواب : چلیے قبلہ آپ گھر چلیے ۔ یہاں آپ کا ٹھیرنا مناسب نہیں ۔

بلبل : یہ جو پولیس میرا پیچھا کر رہی ہے؟

نواب : میں نے سب کچھ ٹھیک کر لیا ہے۔ آپ پولیس کی فکر نہ کیجیے۔ سیدھے گھر چلے جائیے۔

بلبل : سچ کہتے ہو چھوٹے نواب؟

نواب : آپ کے سر عزیز کی قسم! میں کبھی جھوٹ بولتا ہوں۔

بلبل : مگر ہائے چھوٹے نواب! وہ انگوٹھی مرحومہ کی نشانی تھی۔

نواب : شکر کیجیے چاچا! ایک مصیبت تو ٹل گئی۔

بلبل : لیکن چھوٹے نواب! اس ملک میں گذارا مشکل معلوم ہوتا ہے۔ میں نے نواب صاحب سے بھی کہہ دیا ہے کہ میں بھی تمہارے ساتھ پاکستان چلوں گا۔

نواب : ارے آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں چاچا! گھر تو چلیے۔

بلبل : گھر تو جا رہا ہوں صاحبزادے لیکن کہیں اکیلے ہی اکیلے پاکستان کا رُخ نہ کیجو! اس بوڑھے کا بھی خیال رکھیو۔

(دونوں ونگ میں جاتے ہیں تھوڑی دیر بعد نواب واپس آجاتا ہے۔)

پان والا : چھوٹے نواب! کیا پاکستان جا رہے ہو سرکار؟ اللہ واسطے ہمارے پیسوں کا حساب کر دینا حضور!

پھول والا : نباب ساب! آپ تو بڑے لوگ ہیں مائی باپ! غریب کا بھی کھیال رکھنا ایک دم اکیس روپے چار آنے ہیں!

نواب : ابے وہ تو چاچا مذاق کر رہے تھے۔ کون سالا پاکستان جاتا ہے۔ پاکستان میں ایسی گلیاں کہاں ملیں گی میری جان!

پان والا : خدا کرے ایسا ہی ہو! ورنہ آپ جیسے شوقین لوگ سب

پاکستان چلے گئے تو یہ سالا ہندوستان تو سُونا ہو جائے گا حضور سُونا !!

نواب : ہوں !

پان والا : حضور آج خوشحال چپند آیا ہے۔ جیب میں رقم بھی خوب معلوم ہوتی ہے۔

نواب : کہاں بیٹھا ہے ؟

پان والا : وہی آپ کی چنچل کماری کے کوٹھے پر۔

پھول والا : ادے چنچل کماری تو بس ایسی لٹو ہوتی جا رہی ہے جیسے مال جادی کی چھوٹے نواب سے کبھی یاری ہی نہیں تھی۔

نواب : ہوں (آگے بڑھتا ہے۔)

پان والا : کیا ارادہ ہے حضور کا ؟

نواب : اُس سے بدلہ تو لینا پڑیگا۔

پھول والا : اپنے پیسے کا تو کوئی جواب دو حضور !

نواب : اب ایس روپے کون سی بڑی رقم ہے۔ مرا کیوں جا رہا ہے۔

پھول والا : کون جانے سرکار اجمانا بڑا ناجک ہے۔ کل کلاں کو آپ پاکستان چلے گئے تو ہماری تو ارتھی ہی اُٹھ جائے گی حضور !

نواب : بے کون جاتا ہے پاکستان ! ڈال گجرا۔

پھول والا : گجرے چاہے ہجار لیویں ہجور۔ پر پاکستان جانے والی بات نہ کر۔

(ایک ہار نواب کے گلے میں ڈالتا ہے

نواب : بے ایک گجرا ابھی تیرے باپ نے بھی بیچا تھا۔ جب ٹری ڈال

بٹیا جوڑی! ایک گجرا تو اُس کو ڈالتے ہیں جسے قتل کی سزا دی جاتی ہے۔ ڈال دو سرا گجرا۔

پھول والا : دوسرا گجرا بھی تیار ہے ہجور۔ پر میں تو دو ہی بات پوچھوں گا کہ ہجور پاکستان کب جا رہے ہیں؟

نواب : ہاں میر صاحب! لانا ایک پان۔ اور بنارسی قوام بھی لگا دو۔

(میر صاحب پان پیش کرتا ہے۔ نواب پان کھا کر جیب سے سگریٹ نکالتا اور جلاتا ہے۔)

پان والا : کس سوچ میں ہیں حضور!

نواب : تم لوگوں نے سیٹی تو اچھے وقت پر بجائی۔

پان والا : میں تو بہت پہلے ہی بجا دیتا حضور! لیکن سیٹی نہیں تھی میرے پاس۔ پولیس والے کو ایک پان کھلا کر سیٹی لینی پڑی اس واسطے ذرا دیر ہو گئی۔

نواب : ایک پان پر سیٹی دیدی اُسنے؟

پان والا : ایک پان پر تو بڑے بڑے کام نکلتے ہیں حضور!

نواب : ہوں! یہ انگوٹھی دیکھتے ہو! ہیرے کی ہے ہیرے کی۔

پھول والا : اِسکی تو چمک ہی چیک چیک کر کہہ رہی ہے کہ ہیرا ہوں ہیرا۔

نواب : کیا خیال ہے! اب وہ سیٹھیا میرے مقابل ٹک سکے گا؟

پھول والا : اجی وہ کیا ٹکے گا ہجور! پر نتو میں تو ہجور کی عکل کا کایل ہوں۔ ہجور پولیس میں نہیں ہیں پر پولیس کی ایک سیٹی پر ہیرے کی ایک انگوٹھی بنا لیوے ہیں۔

پان والا : کیوں چرن سنگھ جی ! انگوٹھی دیکھتے ہی ہجور کی عکل کے کائل ہو گئے ؟

پھول والا : اپن تو شُرو سے کایل ہیں بھیا ۔

پان والا : اور ابھی جو اکیس روپے چار آنے کا حساب ہو رہا تھا وہ کیا تھا ۔

پھول والا : بھیا تم جرا چنچل کے گھر تو ہو آؤ ۔ میں ہجور سے ایک دو باتیں کر لوں ۔ اگر ہجور پاکستان چلے گئے تو نہ جانے پھر کب بات چیت ہو ۔

پان والا : کوئی خاص ترکیب ذہن میں آئی ہے کیا ؟

پھول والا : ارے جرا تو جا تو بھیا !

پان والا : جاتا ہوں ! پر ہمارا بھی کھیال رہے ۔

پھول والا : تیرے بھاگ سے بات بن گئی تو تجھے بھی مٹھائی کھلاؤں گا ۔

(پان والا جانے لگتا ہے)

نواب : ابے آتے آتے ڈنشا جی کی دوکان سے ایک بوتل وسکی لے آ ۔

پان والا : لیکن پیسے حضور !

نواب : میرا نام کہدے !

پان والا : بہت اچھا حضور ۔

(جاتا ہے)

پھول والا : مائی باپ ۔

نواب : کیا ہے بے ؟

پھول والا : کیا سچ مچ ہجور پاکستان جائیں گے ؟

نواب : تیرا کیا خیال ہے ؟

پھول والا : جرور جائیں ۔ ہجار بار جائیں ۔ کیول ایسا ہی چپ جاؤ گے ہجور !

نواب : ابے تو صاف صاف کیوں نہیں کہتا ؟

پھول والا : بنا پیسے کے کیا ہندوستان کیا پاکستان ۔ کیوں ہے کہ نئیں ہجور !

نواب : آخر تجھے کہنا کیا ہے ۔

پھول والا : (قریب آکر رازدارانہ انداز میں) بات اصل یہ ہے ہجور کہ موج کرنے والا تو ہر جگہ موج کریگا ۔ کیا ہندوستان اور کیا پاکستان ۔ کیوں ہے کہ نئیں ہجور ۔

نواب : ابے پہیلیاں کیوں بجھوا رہا ہے ۔ صاف صاف کیوں نہیں کہتا ۔

پھول والا : یہ جو اپنا سیٹھ خوشحال چند ہے نا ہجور، یہ اپنا خوشحال چند ! بھوت بڑا مارواڑی ہے ۔

نواب : ہاں تو پھر ؟

پھول والا : آج رات کو ہجور کے کمرے میں لاؤں ؟

نواب : کیوں ؟

پھول والا : ہجور کھود سمجھدار ہیں ۔ اب میں کیا ارج کردوں ۔

نواب : ہوں ٹھیک ہے ۔ چلو چنچل کے گھر پر ہی طے کرینگے ۔ خوشحال چند کا بچہ !

(پردہ گرتا ہے)

تیسرا منظر

رات کا وقت۔ چھوٹے نواب کا کمرہ

درمیان میں تخت بچھا ہے۔ تخت پر قالین، تخت کے دونوں طرف کرسیاں۔ ایک طرف میز ہے جس پر ریڈیو رکھا ہے۔ تخت پر دلبر شاد بیٹھے ہیں۔ ان کے داہنی طرف اسٹول پر حقہ رکھا ہے۔ دلبر حقہ پی رہا ہے۔ لباس وہی پہلے منظر والا ہے۔]

دلبر : (حقہ پیتے ہوئے) جمّن او جمّن۔
آواز : (دور سے) آیا سرکار۔
دلبر : ارے میں یہاں بیٹھا ہوں چھوٹے نواب کے کمرے میں۔
آواز : (دور سے) آیا سرکار۔
(بلبل کمرے میں داخل ہوتا ہے)
دلبر : (بلبل کی طرف دیکھے بغیر) ارے تیرے آنے کی ایسی تیسی۔ پکارتے پکارتے گلا بیٹھا جا رہا ہے۔ ذرا وہ باجا تو بجا دے نمک حرام
بلبل : جی؟
دلبر : جی جی کیا کرتا ہے۔ بجا باجا۔
بلبل : نواب صاحب!
دلبر : اوہ! نواب کے بچے (سر اُٹھا کر بلبل کی طرف دیکھتا ہے) آپ!! آپ!
بلبل : یعنی اب ہم پہچانے بھی نہیں جا رہے ہیں؟
دلبر : اوہ آپ! معاف کیجیئے مولانا۔ نہ جانے آج دِل کو کیا ہو گیا ہے۔ کسی پہلو چین نہیں آتا۔ ذرا باجا تو بجا دیجیئے۔

بلبل : مگر میں باجا بجانا تو نہیں جانتا نواب صاحب !

دلبر : بجا دیجئے۔ کہیں سے بجا دیجئے۔ چین سے، جاپان سے، ہندوستان سے، کہیں سے بجا دیجئے۔ جب ہماری کوئی زبان ہی نہیں، کوئی ملک ہی نہیں تو بجا دیجئے، کہیں سے بجا دیجئے۔

بلبل : اوہ ! آپ کا مطلب ہے ریڈیو بجاؤں۔

دلبر : ہاں مولانا ! نہ جانے آج طبیعت اتنی بے کل کیوں ہوئی جا رہی ہے۔ کسی پہلو قرار نہیں۔

بلبل : اب کیا قرار ملے گا نواب صاحب (ریڈیو کی طرف جاتا ہے بڑبڑاتے ہوئے) جس ملک میں پیدا ہوئے وہیں اجنبی قرار دے دیئے گئے۔ اب کیا چین مل سکتا ہے۔

ریڈیو کی آواز : آکاش بانی دلی سماچار ادپن کرتا ہے۔ آکاش بانی کے سموات داتا نے پرلوک سبھا کے منتری منڈل کے پریوگ یہ سوچنائیں ادپن کی ہیں کہ منتری منڈل کے سبھاپتی نے اپنے بھاشن میں جو سوچنائیں کو دشٹ کی ہیں وہ مہان اور لابھ دینے والی ہیں کیول اسی کے انوسار بھارت راج کے پرتیتی نیستی . . . .

دلبر : لاحول ولا قوۃ ! بند کیجئے مولانا۔ خدارا بند کیجئے۔

ریڈیو کی آواز : شری مہاراج راج بھوج نے جراتی سوہ۔ کی ہے اور اس انتی کے انوسار جو بستی کی ہے شانتی اد۔ (بلبل ریڈیو بند کر دیتا ہے اور قریب ہی کرسی پر بیٹھ جاتا ہے۔)

دلبر : یا اللہ تیرا احسان ہے ! دل کو ایک قسم کا سکون ہوا۔ ایسا

معلوم ہوتا ہے کہ گھر میں کوئی چھچھوندر کا بچہ گھس آیا ہے ۔ انتی بتیستی،
پرنتی نتی، پرتی منتل، چیں چیں، بھیں بھیں ۔ لاحول ولا قوۃ ۔
یہ بھی کوئی بولی ہے ۔

بلبل : بولی نہیں نواب صاحب! یہ آزاد ہندوستان کی زبان ہے ۔
اسے ہندی کہتے ہیں ہندی ۔

دلبر : اللہ کا نام لیجیے مولانا ۔ کہاں کی ہندی اور کہاں کی آزادی ۔ کل ہی
پنڈت سندر لال جی کہہ رہے تھے یہ چیں چیں بھیں بھیں نہ تو ہندوؤں
کی زبان ہے اور نہ مسلمانوں کی ۔ یہ صرف تعصب کی زبان ہے تعصب کی ۔

بلبل : پنڈت جی بالکل صحیح فرماتے ہیں ۔ اس کے برخلاف ذرا پاکستان
ریڈیو کی زبان سنیئے ۔ خدا کی قسم ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے غالب
کی غزل بول رہی ہے ۔ کیا پیاری اردو بولی جاتی ہے ۔
نواب صاحب!

دلبر : آپ بھی کس کی مثال دے رہے ہیں مولانا ۔

بلبل : اجی سنا ہے پاکستان نے تو اردو زبان کو نئی زندگی بخش دی
ہے ۔ سرکار ۔ ۔ ۔ جی ہاں سرکار دربار ہر جگہ اردو ہی کا راج ہے
اللہ کی قسم نواب صاحب! بس آپ بھی پاکستان چلنے کی تیاری شروع
کر دیجیے اب اس عمر میں یہ چیں چیں بھیں بھیں کون سیکھتا بیٹھے گا ۔

دلبر : (اپنی جگہ سے اٹھ کر بلبل کے پاس آ بیٹھتا ہے) دل تو یہی چاہتا
ہے مولانا بلبل ۔ کل میرا چھوٹا نواب چلا جائیگا ۔ ڈاکٹر بھی چلا جائیگا ۔ آپ
بھی چلے جائیں گے سارا گھر اداس ہو جائے گا ۔ سوچتا ہوں میں یہاں
رہ کر کیا کروں ۔

بلبل : اوہ نواب صاحب! اچھا یاد آیا۔ اب آپ کے معدے کی تکلیف کیسی ہے۔

دلبر : وہی حال ہے۔ ہنوز روزِ اوّل۔ بے چارہ ڈاکٹر میاں ہر وقت کہتا ہے کوئی ہلکی سی غذا کھاؤ۔ لیکن جس ملک میں موٹا جھوٹا گیہوں تک ملنا دشوار ہے وہاں ہلکی غذا کا کیا سوال؟

بلبل : قسم اللہ پاک کی نواب صاحب! ایسی گیہوں جو ہم ہندوستان میں کھا رہے ہیں سُنا ہے پاکستان نے اپنے گوداموں میں سڑا کر سمندر میں پھینک دیا ہے۔ جی ہاں! اور میوہ۔ آہا ہا ہا! ایک آنے میں یہ بہت سے سیب، یہ بہت سے انجیر، یہ بہت سے انگور۔ یعنی ایک روپیہ دیجیے اور پھارا باغ خرید لیجیے۔

دلبر : سچ!

بلبل : تو کیا میں جھوٹ عرض کر رہا ہوں قبلہ!

دلبر : سچ پوچھیے تو یہ اللہ تعالیٰ کی رحمتیں ہیں جو مسلمانوں پر نازل ہو رہی ہیں۔

بلبل : اور کیا تاریخ اسلام میں لکھا ہے مسلمان اگر ریگستان میں بھی جائیں تو اللہ تعالیٰ اُسے گلزار بنا دیتا ہے۔

دلبر : تب ہی تو مولانا حالی نے لکھا ہے ؎

نارِ نمرود کو کیا گلزار   دوست کو یوں بچا لیا تو نے

بلبل : آہا ہا ہا! نارِ نمرود! پھر عطا فرمائیے۔

دلبر : جی!

بلبل : تو پھر کیا سوچا ہے آپ نے؟

دلبر : بس یہی ہے کہ آپ پولیس وولیس کی فکر نہ کیجیے۔
بلبل : اجی ہٹائیے وولیس کو!! کیا کہا پولیس! (کھڑا ہو جاتا ہے) کیا پولیس آئی ہے۔
دلبر : وہ تو آتی ہی رہتی ہے۔
بلبل : لیکن اب کس لیے آئی ہے؟ کل ہی ایک ہیرے کی انگوٹھی نذر کر آیا ہوں۔
دلبر : ہیرے کی انگوٹھی!
بلبل : جی ہاں نواب صاحب (بیٹھ جاتا ہے) خدا مغفرت کرے وہ انگوٹھی مرحومہ کو کس قدر عزیز تھی! عالم نزع میں بھی جب میں نے وہ انگوٹھی اُن کے ہاتھ سے نکالنا چاہی تو اُنھوں نے ہاتھ کھینچتے ہوئے کہا "سرتاج اسے ہاتھ نہ لگائیے" اور آج وہ انگوٹھی ہندوستانی پولیس کی نذر ہو گئی۔ یہ سراسر ظلم نہیں تو اور کیا ہے؟
دلبر : صحیح فرماتے ہیں آپ!
بلبل : پہلے کی حکومتیں شاعروں اور سخنوروں کو ہیروں اور انگوٹھیوں میں تول دیتی تھیں اور آج کی کمبخت حکومتیں ایک انگوٹھی رہ گئی تھی تو اُسے بھی چھین لیتی ہے۔ اب آپ ہی بتلائیے نواب صاحب یہ یہ حکومت زندہ رہ سکتی ہے؟
دلبر : کہتے ہیں حکومت تو زندہ رہے گی۔
بلبل : اس کا یہ مطلب ہوا کہ عوام مر جائیں گے!
دلبر : بالکل! بالکل یہی ہو گا۔ اب دیکھیے نا ایک ایک چیز چھوٹتی چلی جا رہی ہے۔ کل آپ چلے جائیں گے۔ چھوٹا نواب بھی چلا جائیگا

ڈاکٹر میاں بھی چلا جائے گا۔ آپ سمجھتے ہیں کہ میں یہ غم برداشت کر سکوں گا؟

بلبل : خدا کے لیے ایسا دِل گیر نہ ہوئیے نواب صاحب! ہم جانتے ہیں تو واپس بھی آئیں گے! اس وقت دیکھیں گے کہ یہ ظالم پولیس ہمارا کیا بگاڑتی ہے۔

دلبر : دن رات خدائے تعالیٰ سے یہی دُعا ہے کہ میرا چھوٹا نواب ایک فاتح کی حیثیت سے لوٹے۔

بلبل : آمین!

دلبر : وہ بھی کیا وقت ہوگا مولانا بلبل جب میرا چھوٹا نواب ایک سپہ سالار کی حیثیت سے ایک بہادر اور جری فوج کی سپہ سالاری کرتا ہوا ہمارے ملک میں داخل ہوگا اور میں فخر سے سینہ تان کر کھڑا ہوں گا۔ چھوٹے نواب!

(چھوٹا نواب نشہ میں جھومتا ہاتھ میں قلمدان لیے داخل ہوتا ہے لباس وہی دوسرے منظر والا ہے۔ اُس کے ساتھ پھول والا اور پان والا ہیں۔ پھول والے کے ہاتھ پھولوں کے ہار ہیں۔ پان والے کی بغل میں ایک بوتل ہے۔)

نواب : کون؟ ابا حضور!

دلبر : ہائیں! یہ کیا بات ہوئی۔ نہ سلام نہ مُجرا!

(نواب چونک کر قلم دان پھول والے کے ہاتھ میں تھما دیتا اور جھک کر فرشی سلام کرتا ہے۔)

دلبر : خدا خوش رکھے! میں ابھی تمہاری بہادری کا ذکر کر رہا تھا۔

بلبل : اور جری اور بہادر فوج بھی پیچھے کھڑی ہے۔ اس کی

بھی سلامی لے لیجیئے ۔

دلبر : کون لوگ ہیں یہ ؟

نواب : یہ ! یہ لوگ دراصل شہر کے نوجوان شعراء ہیں ابا حضور ! آج چونکہ آخری رات ہے اور کل صبح ہی پاکستان جانا ہے اسلیئے میں نے مناسب سمجھا کہ ایک محفلِ سماع منعقد کی جائے اور آپکا کلام گایا جائے ۔

بلبل : محفلِ سماع ۔

نواب : جی ہاں چاچا ! میں نے پولیس والوں کو بھی مدعو کیا ہے ۔

بلبل : مدعو کیا ہے ؟ نواب صاحب مجھے اجازت ہی دیجیئے !

دلبر : ارے ٹھہریئے مولانا ! کیا شعر و سماع سے ہم کو دلچسپی نہیں ہے ؟

نواب : لیکن ڈاکٹر میاں کہہ رہے تھے زیادہ جاگنے سے آپ کے معدے پر برا اثر پڑے گا ۔

دلبر : ہاں یہ بات بھی ٹھیک ہے (پان والے کی طرف دیکھ کر) لیکن آپ کی بغل میں کیا ہے جناب ؟

پان والا : (گھبرا کر شیشہ دکھاتے ہوئے) یہ ! یہ !

نواب : سرکہ ہے ! ابا حضور ! سرکہ ہے ۔

دلبر : سرکہ ہے ؟ لیکن کیوں ؟

نواب : جی دراصل مجھے تحفہ دینے لاتے ہیں ۔

دلبر : (پھول والے کی طرف مخاطب ہو کر) اور یہ آپ کے ہاتھ پھول کیوں ہیں ؟

نواب : جی مجھے پہنانے کے لیے ۔

دلبر : ارے! آپ کی بغل میں تو قلم دان ہے؟

نواب : جی قلم دان نہیں ابا حضور عطر دان ہے!

دلبر : عطردان! ذرا ہم بھی تو دیکھیں۔

نواب : لیکن ابا حضور اس میں عطرِ نارنج ہے جس سے آپ کو زکام ہو جاتا ہے۔

دلبر : لاحول ولاقوۃ! عطرِ نارنج بھی کوئی عطر ہوتا ہے چھوٹے نواب!

نواب : اسی لیے تو........

دلبر : مولٰنا بلبل! یہ شہر کے نوجوان شعرا بھی عجیب مخلوق ہیں شاعری کیا کرتے ہیں پھول اور عطر کی تجارت کرتے ہیں۔ اچھا بھائی جو بھی کچھ کرو اپنے خاندان کی عزت کا خیال رکھ کر کرو۔

(بلبل اور دلبر چلے جاتے ہیں)

نواب : میر صاحب!

میر : جی حضور!

نواب : ذرا وہ دینا تو!

میر : چمن سنگھ جی!

چمن : بولو بھیا!

میر : ذرا وہ دینا تو۔

چمن : وہ ابھی لو (شراب کے پیالے لینے جاتا ہے۔)

نواب : میر صاحب! چنچل کے گھر میں میں نے کتنی پی تھی؟

میر : صرف دو پیگ حضور!

نواب : اوہ! تب ہی تو سر درد سا ہو رہا ہے۔
میر : سر میں درد کیوں ہو رہا ہے حضور؟
نواب : کسی نے کہا ہے کہ ادھورا نشہ اور ادھوری آزادی دونوں
درد سر بن جاتے ہیں۔
میر : میں سمجھا نہیں حضور!
نواب : سمجھا تو میں نے بھی نہیں۔ ایک بات سُنی تھی سو کہہ دی
یہی آج کل کا فیشن بھی تو ہے۔
(چرن سنگھ شراب کا پیالہ دیتا ہے۔ نواب ایک گھونٹ لیکر)
نواب : آہاہا! چرن سنگھ جی! جے ہو تمہاری! میر صاحب!
میر : جی حُضور!
نواب : تم نے نہیں پی؟
میر : میں اپنا کوٹا پورا کر چکا ہوں حُضور!
نواب : اور چرن سنگھ؟
چرن سنگھ : سرکار کی دیا سے میں بھی آنند میں ہوں جی
نواب : یعنی سب پی چکے! ایک ہم ہی تشنہ لب باقی ہیں۔ تو پھر
دیتے جاؤ۔ دیکھیں آج کون تھکتا ہے ساقی یا مے کش؟
(چرن سنگھ دوسرا پیالہ دیتا ہے۔ نواب پیتے ہوئے)
نواب : جو بات اس شراب میں ہے نہ تو وہ آزادی میں ہے اور نہ
مہاتما جی کے آدرش میں۔ کیوں میر صاحب؟
میر : حُضور بالکل صحیح فرماتے ہیں۔
نواب : چنچل نہیں آئی؟

میر : پنچھی اور خوشحال چند دونوں نے آنے کا وعدہ کیا ہے حضور!

نواب : ہوں! ٹھیک ہے۔ چرن سنگھ ذرا وہ صندوقچی دینا۔

(چرن سنگھ قلم دان دیتا ہے۔ نواب اُسے کھول کر ایک ہار نکالتا ہے اور اُسے چومتے ہوئے۔)

نواب : ہائے ظالم! جسے تو مل گیا وہ خوشحال چند بن گیا۔

میر : اور جسے نہیں ملا وہ پنواڑی۔

(سب قہقہہ لگاتے ہیں)

نواب : چرن سنگھ جی!

چرن : جی حضور!

نواب : کیا تم ہندو ہو؟

چرن : ہجور کا کیا کھیال ہے؟

نواب : معاف کرنا چرن سنگھ! تم ہندو تو ہو لیکن تم میں ہندوؤں جیسی کوئی بات نہیں۔

چرن : کسم بھگوان کی ہجور مسلمان ہیں مگر مسلمانوں جیسی کوئی بات نہیں۔

نواب : اہاہاہا! اسی کا نام ہے! کیا نام ہے! جانتے ہو چرن سنگھ؟

چرن : نہیں سرکار۔

نواب : مونا باد! ھوکرا پار!

چرن : وہ تو ہندوستان کی آکھری سرحد ہے ہجور!

نواب : ہوں آخری سرحد! ہم سنتے تھے کہ جب شریف ہندو،

ہندو مذہب کی آخری سرحد پر پہونچتا ہے تو دنیا سے بے نیاز ہو جاتا ہے۔

چرن : وہ سادھو بن جاتا ہے حجور!

نواب : لیکن مونا باد کی سرحد پر سادھو چوریاں کرتے ہیں۔ پولیس ڈاکے ڈالتی ہے۔ ڈاکو شریفوں کی جھڑتی لیتے ہیں۔

چرن : ایسا کیوں ہوتا ہے سرکار؟

نواب : ایسا کیوں ہوتا ہے؟ ہاں جب ہنہ دچرن سنگھ اور مسلمان چھوٹے نواب ہو جائے تو کیا نہیں ہوتا۔

میر : حضور اب بس کیجیئے۔ صبح آپ کو کوچ کرنا ہے۔ ورنہ ہم سب کا بھانڈا پھوٹ جائے گا۔

نواب : ارے کیا بھانڈا پھوٹے گا۔ یہی نا کہ ہم نے خود اپنے گھر میں چوری کی ہے۔ یہ زیورات کی صندوقچی چرائی ہے!

چرن : حجور یہ کیا بولتے ہیں۔

نواب : ارے ڈرتے کیوں ہو چرن سنگھ جی! ہم مسلمان ہیں اور مسلمان ہمیشہ خود اپنا ہی گھر لوٹتا ہے۔ اور اپنے ہی ہاتھوں اپنا گھر برباد کرتا آیا ہے۔

(باہر سے تالی کی آواز آتی ہے)

نواب : دیکھو کوئی سمجھدار آدمی ہماری اس بات کی تعریف میں تالی بجا رہا ہے (خود بھی تالی بجاتا ہے) آہاہاہا!

میر : حضور معلوم ہوتا ہے چنچل کماری اور خوشحال چند آتے ہیں۔

نواب : ہاں اس بات پر تو خوشحال چند ہی تالی بجا سکتا ہے۔ لیکن خوشحال چند! خوشحال چند کیوں آیا ہے؟

میر : آپ نے اُسے بلوایا تھا حضور!

نواب : بلوایا تھا؟ کیا ثبوت ہے اُس کے پاس؟

(خوشحال چند آتا ہے۔ سر پر سفید پگڑی، کالا لانبا کوٹ اور دھوتی پہنے ہوئے ہے پیروں میں سیاہ پمپ شوز۔ ہاتھ میں لکڑی اور ایک ہاتھ میں تھیلا ہے۔)

خوشحال چند : نباب شاب کو شلام شومیکار کرتا ہوں۔

نواب : اوہ! کون؟ سیٹھ جی! آیئے آیئے! چنچل نہیں آئی کیا۔

خوشحال : آدے ہے! آدے ہے!

نواب : آدے ہے۔ چلو اچھا ہے! میر صاحب دینا ایک اور، اور سیٹھ جی کو بھی دینا۔

خوشحال : نباب شاب! میں تو کبھی نہیں پیوں! مارا تو دھرم نشٹ ہو جائے۔

نواب : اوہ تو آپ کو اپنے دھرم کا نشہ ہی کافی ہے۔ یہ بھی ٹھیک ہے چلیے کوئی نہ کوئی نشہ تو کر ہی لیتے ہیں آپ!

خوشحال : آپ تو مشکری کرے ہے نباب شاب۔

نواب : اور جن کے پاس دولت کی پوترتا نہ ہو وہ مسخری کے سوا کر بھی کیا سکتا ہے سیٹھ جی!

خوشحال : اے ہے آپ تو بھوت اونچی بات کرے ہو۔ ماڑی سمجھ میں تو یہ بات ڈکس ناہیں آدے ہے نباب شاب!

نواب : اونچی بات! پالیٹکس! آہاہا! میر صاحب دینا ایک اور! سیٹھ صاحب نے بڑے پتے کی بات کی ہے (میر سے پیالہ لے کر

ایک گھونٹ لیتا ہے) آپ! ہاں سیٹھ جی! آپ تو پالیٹکس سے اونچے، واقعی بہت اونچے ہیں۔ آپ تو بزنس کرتے ہیں۔ پیسہ کماتے ہیں۔ پالیٹکس کے شکار تو ہم لوگ ہیں سیٹھ جی!

سیٹھ : اجی کو د کام کا بات کر د نباب شاب۔

نواب : آپ صحیح فرماتے ہیں۔ پالیٹکس سے بجز وقت گذاری کے اور کچھ ہاتھ نہیں آتا (صندوقچی سیٹھ کے آگے کر دیتا ہے) یہ رہی آپکے کام کی بات۔

سیٹھ : (صندوقچی کھولکر زیورات نکالتے ہوئے) پرنتو بابو جی سے بھی پوچھ لیو ہو نباب شاب؟

نواب : اوہو! کیا اخلاق اور معصومیت ہے آپ میں۔ مدت ہوئی بابو جی کو تو آپ ہی لوگوں نے گولی مار دی سیٹھ جی!

خوشحال : باپوجی کا مطبل میں کہوں دلبر شاد نباب شاب!

نواب : اوہ! میں سمجھا مہاتما گاندھی! خیر آپ اس کی فکر نہ کیجیے۔ جب آپ چوری کے مال کی بھی پروا نہیں کرتے تو یہ تو میرا مال ہے۔

خوشحال : وہ تو میں جانوں۔ یہ جیور تو مھاڑے پاش گر دی بھی تھا نباب شاب۔

نواب : ہاں آپکے پاس رہن بھی تو تھا! پھر آپ کیا سوچ رہے ہیں؟ آپ کچھ اور پوچھنا چاہتے ہیں؟

خوشحال : یہ تو بیوپار د ہو۔ اس میں تو پوچھنا ہی پڑ د ہو۔

نواب : ہاں بتاؤ کیا دوگے؟

خوشحال : پرنتو کون کون شا چیج دیں گے آپ؟

نواب : کون کون سی چیز؟ ہاں یہ سفید چیز!

خوشحال : شوپید شوپید! نام تر بولو نباب شاب!

نواب : اوہ نام! نام! اس کا نام سمجھو تاج محل۔

خوشحال : تاج محل!

نواب : اور یہ لال لال چیز سمجھو لال قلعہ! ٹھیک ہے نا؟

میر : لیکن حضور!

نواب : ہش تم خاموش رہو! میں عوام کی رائے نہیں پوچھ رہا ہوں سیٹھ جی عوام کی رائے سے بہت گھبراتے ہیں۔ خواہ وہ کشمیر ہو یا چوری کا مال سیٹھ جی خاموشی سے تھیلی میں ڈال لیتے ہیں۔ اور ہاں یہ گول گول چیز سمجھو گولکنڈہ!

میر : اور یہ چار چار چیز سمجھیے چارمینار!

نواب : ہاں کہو ان کا کیا دوگے؟

خوشحال : ہو تو شوب بڑھیا مال پر تو اج کل ان کا بجار ورڑو مندو ہو نباب شاب۔

نواب : کیا کہا!

خوشحال : میں کہوں بجار وبڑو مندو ہو نباب شاب!

نواب : ہاں آج کل ان چیزوں کو پوچھتا ہی کون ہے اور پھر بازار کے مالک تو آپ ہیں سیٹھ صاحب! جب جی چاہا بازار کو گرم کر دیا اور جب جی چاہا سرد۔

خوشحال : اب پوچھں کا ہو نباب شاب۔ پنج ہجار لے لیو!

نواب : صرف پانچ ہزار!

خوشحال : بجار و بڑد......

نواب .. بجا ر وبڑ و مند د ہو ۔ خیر لاؤ پانچھزار ۔

خوشحال : پرنتو ایک چیج اور ۔ دو ہجار نگد، تین ہجار پندرہ دن بعد ۔

نواب یہ کیوں ؟ مجھے تو پورے پانچھزار نقد چاہئیں ۔

خوشحال : نگد کا مطبل ہووے کہ تین ہجار لے لیوٗ !

نواب : اور ابھی آپنے پانچھزار کہا تھا ؟

خوشحال : پرنتو مامل نگد کا ہے ۔ تین ہجار آبھی نباب شاب ۔

(تھیلی میں سے نوٹوں کی گڈی نکال کر دیتا ہے ۔)

نواب . میر صاحب ! یہ دیکھو .....

میر (گڈی لیتے ہوئے) شاید کوئی آیا ہے حضور !

نواب : آیا ہے ؟ کون آیا ہے ؟

(ڈاکٹر آتا ہے ۔ سوٹ میں ملبوس ہے ۔)

ڈاکٹر کیا میں آسکتا ہوں چھوٹے نواب ؟

نواب : کون ہو تم ؟

ڈاکٹر میں ڈاکٹر ہوں !

نواب . لیکن یہ کوئی اسپتال نہیں ہے ۔ میرا گھر ہے ۔

ڈاکٹر : میں تمہارے گھر ہی آیا ہوں ۔ مگر معلوم ہوتا ہے تم خود گھر میں نہیں ہو کہیں اور ہو ۔

نواب : اوہ ڈاکٹر ! میں سمجھا کوئی ڈاکٹر آیا ہے ۔ آؤ آؤ ! یہاں ! میرے سر پر ! میری آنکھوں پر ۔ تمہیں کون منع کر رہا ہے ۔ میر صاحب دینا اور ....

میر صاحب : حضور ہم تو ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

نواب : جاؤ ! جاؤ تم لوگ یہاں سے

(میر صاحب اور چرن سنگھ جاتے ہیں)

نواب : تو کیا سیٹھ صاحب ! آپ نے منع کیا تھا ؟

خوشحال : مہا کا ہے منا کرو نباب شاب !

نواب : اسی بات کی تو مجھے حیرت تھی ۔ آپ بھلا کیسے منع کر سکتے ہیں ۔ اگر آپ کسی کو منع کرنے لگے تو یہ چوروں، جیب کتروں، منافع خوروں کی سرپرستی کون کرے گا ۔ آپکا کام تو ہر کام کو جاری رکھنا ہے سیٹھ جی !

ڈاکٹر : چھوٹے نواب ۔

نواب : (اٹھ کھڑا ہوتا ہے) اوہ ڈاکٹر ! آؤ تمہارا تعارف کراؤں تم انہیں جانتے ہو ؟

ڈاکٹر : نہیں ۔

نواب : ہا ہا ہا ! نہیں جانتے ؟ ہندوستان میں رہتے ہو اور سیٹھ جی کو نہیں جانتے ؟ آخر تم جانتے کیا ہو ڈاکٹر ؟

ڈاکٹر : چھوٹے نواب میں تم سے ایک بات کرنا چاہتا ہوں ۔

نواب : ایک بات ! ہا ہا ہا ! ایک بات اور پکا قول ! یہ باتیں سیٹھ جی کے سامنے کہہ رہے ہو ۔ دیکھو سیٹھ جی کہیں برا نہ مان جائیں ۔

خوشحال : ماکلے برا مالز ہو نباب شاب ! مارو دکاں کا کاٹا اور چیج اور دھرم کا کاٹا اور چیج ! یہ تو بیوپار ہے ۔

ڈاکٹر : (نواب کے قریب آکر) چھوٹے نواب ! میں تم سے دراصل کچھ مانگنے آیا ہوں ۔

نواب : قسم اللہ پاک کی میں نے تمہاری کسی بات سے انکار کیا ہو۔
کہو کیا کہنا چاہتے ہو ۔

ڈاکٹر : مجھے یہ قلم دان چاہیئے جو سیٹھ جی کے ہاتھ میں ہے ۔

نواب : لے لو اے لو پیارے ! یہ کون سی بڑی بات ہے ۔

خوشحال : (کرسی سے اُٹھ جاتا ہے قلمدان پکڑے کرسی کے پیچھے ہو جاتا ہے)
ہے بھگوان ! ہمارے روپے کا کیا ہوئے ہو نباب ۔

نواب : روپیہ ! روپیہ تو ہاتھ کا میل ہے سیٹھ جی !

خوشحال : چھی چھی چھی چھی ۔ مانش کا ایک جوبان ہونڑ و چاہیئے نباب
شاب ۔

نواب : ڈاکٹر ! تم تو ڈاکٹر ہو نا ! دیکھو میری کتنی زبانیں ہیں :

خوشحال : اوہو ! اب سمجھو ہوں ہماریاں کیوں بلایو ہو ۔ مارے
سوداگر دہوکہ دھوکہ باجی ! کھوشال چند سے دھوکہ باجی نہیں
چلو ہو نباب شاب ۔ ماں کہے دے ہوں ۔

نواب : (چونکتا ہے ۔ جوش میں آکر آگے بڑھتا ہے اور خوشحال چند
کا ہاتھ پکڑتے ہوئے) اوہ سیٹھ جی ! ڈاکٹر تم میرے خانگی معاملات
میں دخل دینے والے کون ہو ؟

ڈاکٹر : یہ تم کیا کہہ رہے ہو چھوٹے نواب !

نواب : ہاں میں ٹھیک کہہ رہا ہوں ۔ یہ میری بہو کے زیورات ہیں ۔
انہیں فروخت کرنے کا مجھے پورا حق ہے ۔

ڈاکٹر : لیکن ایسے قیمتی زیورات یونہی فروخت کر دو گے ؟

سیٹھ : کھیمت ۔ پر تین ہجار سے جیادہ کھیمت تو بھارت بھر

میں کوئی نہیں دیتے ہو ڈاکٹر شاب۔

ڈاکٹر : آپ خاموش رہیے سیٹھ جی! یہ ہمارے خانگی معاملات ہیں۔

نواب : خانگی معاملات! ہاہاہا! آج ہر طرف خانگی معاملات ہی خانگی معاملات نظر آتے ہیں۔ قومی اور ملکی معاملات کی تو کسی کو پرواہ ہی نہیں ہے۔

ڈاکٹر : چھوٹے نواب! میری بات تو ......

نواب : تم بے وقوف ہو ڈاکٹر! سیٹھ جی اس ملک کے مالک ہیں یہ ان کی مہربانی ہے کہ دو تین ہزار بھی دے رہے ہیں۔ اگر وہ چاہیں تو حیدرآباد اور جوناگڈھ کی طرح یہ زیورات بھی مفت لے سکتے ہیں غور تو کرو ڈاکٹر کیوں اپنا نقصان کر رہے ہو؟

ڈاکٹر : میں نقصان کر رہا ہوں؟ تم نے بہت زیادہ پی لی ہے۔ (نواب کی طرف سے پلٹ کر جاتا ہے)۔

نواب : میں نے بہت زیادہ پی لی ہے۔ مگر تم سے زیادہ ہوش میں ہوں۔

ڈاکٹر : ہر شرابی ایسا ہی سمجھتا ہے۔

نواب : تم مجھے شرابی اور ذلیل سمجھتے ہو؟

ڈاکٹر : مجبوری ہے۔

نواب : تم میرے خانگی معاملات میں دخل دینے والے کون ہو؟

ڈاکٹر : مجھے اس کا حق ہے

نواب : تمہیں کوئی حق نہیں۔

ڈاکٹر : یہ میری بیوی کے زیورات ہیں۔

نواب : ہوں ! بیوی کے زیورات ہیں ۔ تم اس طرح نہیں مانوگے
(آواز دیتا ہے) چمن سنگھ ! میر صاحب ! کوئی نہیں ہے !
خیر میں تمہارے لیے اکیلا ہی کافی ہوں ۔

ڈاکٹر : تو کیا تم جھگڑا کرنا چاہتے ہو ؟

نواب : میں تو صرف زیورات فروخت کرنا چاہتا ہوں ۔ جھگڑا تو
تم نے کھڑا کیا ہے ۔

ڈاکٹر : تم جو چاہے سمجھ لو ! لیکن یہ زیورات نہیں فروخت ہو سکتے !

نواب : اچھا ! نہیں فروخت ہو سکتے ؟ (جیب سے چھرا نکالتا ہے جو بٹن
دباتے ہی کھل جاتا ہے) یہ دیکھ رہے ہو ! اجرس کا ہے ۔ اجرس کا ۔

خوشحال : ہرے بھگوان ! یہ چھرا چھری مارنے تو نہ دیکھو جاتے ! ابا ب
شاب مار کو جانے ہی دیجو !

ڈاکٹر : یہ بہت کند ہے چھوٹے نواب ! میں روزانہ اس سے تیز
ہتھیاروں سے کھیلتا ہوں ۔

نواب : مریضوں کا آپریشن کرنا اور چیز ہے ڈاکٹر ۔

ڈاکٹر : ہاں میں لوگوں کو زندگی بخشتا ہوں ۔

نواب : اور میں ! جو بھی میری راہ میں حائل ہوتا ہے اُسے موت کے
گھاٹ اتار دیتا ہوں ۔

ڈاکٹر : اسی کردار کے ساتھ آپ پاکستان جانا چاہتے ہیں ؟

نواب : ہاں ! پاکستان، کوئی تمہاری جاگیر نہیں ہے ۔ پاکستان
پر ہر مسلمان کا حق ہے ۔

ڈاکٹر : تم اپنے آپ کو مسلمان بھی سمجھتے ہو !

نواب : ڈاکٹر مجھے غصہ مت دلاؤ! میرے اِس چھرے نے بھی ملک و ملت کی بہت خدمت کی ہے۔

ڈاکٹر : وہ تمہارا نہیں راجہ رس کا ہے راجہ رس کا! اور خوشحال چند نے تمہارے ہاتھ میں تھمایا ہے۔ کیوں ملک و ملت کو بدنام کرتے ہیں۔

سیٹھ : مار دو تو چلو ہو نباب شاب! ایسو سو دو تو ماری جان لیو ہو۔ مار دو تو چلے ہو نباب شاب۔

نواب : ہاں تم جاؤ سیٹھ جی!

ڈاکٹر : رُک جاؤ سیٹھ جی!

نواب : (ڈاکٹر کے سامنے چھرا لے کر آتا ہے اور سیٹھ کو دھکا دیکر) تم چلے جاؤ سیٹھ جی!

(خوشحال چند قلمدان لے کر چلا جاتا ہے۔ ڈاکٹر غصے کی حالت میں ٹہلنے لگتا ہے نواب چھرا پھینک کر ڈاکٹر کے قریب جاتا اور اُس کے کان میں کچھ کہتا ہے۔)

ڈاکٹر : کیا کہا؟

نواب : ہاں!

ڈاکٹر : تو وہ زیور نقلی تھے؟

نواب : بالکل نقلی پیارے! کل رات چنچل کے گھر پہ یہ بات طے ہوئی تھی۔ آخر جب گھر بار چھوڑ کر پاکستان جانا ہی ٹھیرا تو اتنا بھی نہ کریں (تخت پر لیٹ جاتا ہے)۔

ڈاکٹر : تم نے جو کچھ بھی کیا ہے نامناسب ہے!

نواب : کیوں؟

ڈاکٹر : تم ایک شریف خاندان کے فرد ہو !

نواب : وہ تو ہیں ہی !

ڈاکٹر : اگر وہ نقلی مال کو پہچان لے اور پولیس میں اطلاع کر دے تو پھر . . . . . ؟

نواب : اس وقت تک تو ہم بہت دور نکل چکے ہوں گے ۔

ڈاکٹر ! اچھا خدا حافظ !

(پردہ گرتا ہے)

چوتھا منظر

مونا باد کی سرحد

کھلا میدان ہے۔ ایک طرف ایک پرانی سی میز رکھی ہے۔ اُس کے ساتھ ایک کرسی ہے۔ پردہ اُٹھنے پر ایک پولیس انسپکٹر ٹہلتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ خاکی پتلون، خاکی بشرٹ پہنے، سر پر ہیٹ ہے۔ بغل میں رول کی طرح کا ڈنڈا ہے، اور ہاتھ میں ایک بیگ۔ انسپکٹر کے پیچھے ایک کانسٹیبل آتا ہے۔ خاکی بشرٹ اور نیکر پہنے۔ پیروں میں موزے اور شوز۔ منھ میں بیڑی ہے۔]

کانسٹیبل : حوالدار بابو ! حوالدار بابو !

انسپکٹر : (پلٹ کر دیکھتا ہے) کون ؟ شنکر ؟ تم اِدھر کیسے ۔

شنکر : اپن فیر اِدر آگیا حوالدار بابو !

انسپکٹر : (میز کی طرف جاتے ہوئے) یعنی پھر تمہاری بدلی ہو گئی ؟

شنکر : اپھسر لوگ کا دیا ہے حوالدار بابو ۔ اپھسر لوگ بولیں گا کہ شنکر نِرک میں جاؤ تو شنکر بولیں گا کہ اِز رائٹ سار ۔ اپن کام چوری نہیں مانگتا ۔

انسپکٹر : (بیگ میز پر رکھتے ہوئے) مگر ذرا سنبھل کر ! اب کی دفعہ رشوت لو گے تو بڑا صاحب تمہاری لاش کو بھی مانا باؤ نہیں آنے دیگا سیدھا دِلّی بھیجے گا (کرسی پر بیٹھ جاتا ہے) ۔

شنکر : اپن تو سالا پیٹ کا گلام ہے ۔ اِدر مانا باؤ بھی اپنا چ ہے اُدر دلّی بھی اپنا ہیچ دیش ہے ۔ سرم کی کیا بات ہے ۔ کیوں ! ٹھیک ہے کی نیں حوالدار بابو ؟

انسپکٹر : زمانہ بہت بدل گیا ہے ۔ بڑے سخت حکم نِکلے ہیں ۔

شنکر : کِدر زمانہ بدل گیا ہے ۔ کائی کو مسکری کرتا ہے حوالدار بابو ۔

اب بی اور کانگریس راج ہے جب بی اور کانگریس گورمنٹ تھا جب بی آدمی لوگ پاکستان کو بھاگتا تھا اب بی ویسا ئچ بھاگتا ہے کیدر زمانہ بدل گیا ہے ؟

انسپکٹر : سختیاں بہت بڑھ گئی ہیں ۔

شنکر : کسم بھگوان کی حوالدار بابو ! اِدر بارہ سال سے سنکر گورمنٹ کا ڈیوٹی دیتا ہے ۔ انگریج کو بی دیکھا ہے کانگریج کو بھی دیکھا ہے ۔ اپن بولتا ہے کانگریج کا راج انگریج کے راج سے بھوت اُنچا ہے ۔

انسپکٹر : ہوں ! (اُٹھ کر جانے لگتا ہے ۔)

شنکر : حوالدار بابو ! حوالدار بابو ! کسم لکشمی کی آج تو ایسا ایسا سِکار آیا ہے کی ایک ایک سالا سِکار کھوسی سے اپنا مہینہ بھر کا مال پانی پھینکتا ہے ۔

انسپکٹر : بُری بات ہے ۔

شنکر : بات تو بُری ئچ ہے پَن کی کیا کرینگا ۔ سالی دُنیا کھد آپ پو گرتا ہے تو ہم کیا کرینگا ۔ ابی ایک سالا سکا نے بولا کہ سنکر حوالدار بابو کو بول کر ہمارا ایک کام کرینگا تو ہم چار سَو دیگا ۔

انسپکٹر : نہیں نہیں ! (اور لوٹ کر کرسی پر بیٹھ جاتا ہے !)

شنکر : میں نے بی بولا نیں نیں ۔ چار سو تو حوالدار بابو نے آج تک نیں لیا ۔ وہ کوئی بی کام کرینگا تو اپنی پوجی سَن کے برابر کرینگا ۔ فِر اُس نے بولا پانچ سو ۔ میں نے بولا کہ ایک سالا منتی کرینگا تو ایک جھانپڑ دینگا ۔ آکھیر کو بولا ہجار روپے دینگا ۔

انسپکٹر : آخر کام کیا ہے شنکر ؟

شنکر : تو پانچ سو اپنے ہو لئے نا مائی باپ ۔

نسپیکٹر : (ڈانٹ کر) شنکر!

شنکر : اوہ! بھول ہوگیا مائی باپ!

نسپیکٹر : کون ہے وہ رشوت دینے والا؟ ذرا لا تو اُسے پکڑ کر!

شنکر : وہ تو یاں نہیں رہتا حوالدار بابو!

نسپیکٹر : ابھی تو کس کا ذکر کر رہا تھا؟

شنکر : اپنا پانسو کا بات بولتا تھا بابو!

نسپیکٹر : نہیں نہیں تجھے برابر کا حصہ نہیں مل سکتا۔

شنکر : فیر تو اپن سالا مسکری کر رہا تھا۔ (ہاتھ باندھ لیتا اور جانے لگتا ہے)

نسپیکٹر : (کرسی سے اُٹھتے ہوئے) شنکر تو جانتا ہے میں کون ہوں؟

شنکر : کیوں نہیں جانتا بابو۔ اِپن کی این بی گریب آدمی ہے۔ سب حوالدار کو دیگا تو ہم سالا کیا ماتا باد کی ریتی کھائینگا۔

نسپیکٹر : ہوں تو یہ بات ہے۔

شنکر : (ہاتھ چھوڑ دیتا ہے) گُسّے کی بات نیں حوالدار بابو! ایک سالا سکار اور جو ردار ہے وہ تو سالا دو مہینے کا مال پانی پھینکتا ہے اور بولتا ہے دو ہجار دینگا۔

نسپیکٹر : (شنکر کی طرف بڑھتے ہوئے) دوسرا آدمی کون ہے؟

شنکر : دُسرا آدمی کون ہے؟ اِدر تو دیکھ آدمی کھڑا ہے۔ ایک تو ساب آپ ہے۔ ایک سنکر۔ فِر تم کس کو بولتا ہے؟

نسپیکٹر : (کرسی کی طرف جاتے ہوئے) شنکر تو جانتا ہے میں ایک دفعہ تیری بدلی کرا چکا ہوں (کرسی پر بیٹھ جاتا ہے۔)

شنکر : پن کی اپن تو فیر اِدر آگیلا ہے حوالدار بابو!

انسپکٹر : لیکن اب دوبارہ نہ آسکے گا! میں ابھی رپورٹ کرتا ہوں!

شنکر : ارے ارے۔ گُسّہ کیوں کرتا ہے بابو! اگر یہوں کا کھیال کیوں نہیں کرتا؟

انسپکٹر : تو کیا تجھے آدھا حصّہ دے دوں!

شنکر : (حوالدار کے پیچھے سے ہو کر مین کے بائیں طرف کھڑا ہو جاتا ہے) فیر چیکن کا ٹائم پر تم مُسلمان عورتوں کا جیوز نکال کر تھیلی میں ڈالتا ہے۔ ہم کھاموس دیکھتا ہے۔ وہ فیر تم گھرے جاتا ہے۔ ہم نے کسی کو بولا حوالدار بابو؟

انسپکٹر : تجھے اِس سے کیا مطلب؟

شنکر : بات تو مطلب کا ہے! تم کِسی کا کوٹ، کِسی کا فرنیچر، سب مُسلمین لوگ کا سامان کھینچ کر اُدر ناگپور میں جنرل اسٹور چلاتا ہے۔ ہم نے کِسی کو بولا ہے حوالدار بابو۔ (پلٹ کر کھڑا ہو جاتا اور آسمان کی طرف دیکھنے لگتا ہے)

انسپکٹر : کچھ بھی ہو تجھے آدھا حِصّہ نہیں مِل سکتا۔

شنکر : کیوں نہیں مِلتا مائی باپ؟

انسپکٹر : ذرا اپنی بساط تو دیکھ۔ میرے حِصّے میں سے آدھا حِصّہ لے گا۔ ہونھ!

شنکر : مائی باپ! دیش آجاد ہو گیا۔ کانگریس گورمنٹ اور مہاتما گاندھی نے کھلا بولا ہے کہ ہندو مسلمان ہندستانی سب بھائی بھائی ہے سب برابر کا حصّہ دار ہے۔ اپن تو مہاتما گاندھی کے آدرش پر چلتا

ہے۔ آدھا ہم لینگا تو آدھا حوالدار بابو کو بھینٹ کرینگا۔

انسپکٹر : ابے تو مہاتما گاندھی کا نام بیچ میں کیوں لاتا ہے ؟

شنکر : آج کل جتنا چار سو بیس ہے سب مہاتما گاندھی کے نام کا بجنس کرتا ہے تو فیر سنکر کیا کرینگا کیوں ہے کہ نہیں حوالدار بابو ؟

انسپکٹر : ہوں ! (کھڑا ہو جاتا ہے)

شنکر : ابھی چیکن مسرو کرینگا مائی باپ ؟

انسپکٹر : ابھی کیا جلدی ہے ! (کرسی پر بیٹھ جاتا ہے۔ شنکر میز کی دوسری جانب چلا جاتا ہے)

شنکر : ابی ادر چار کلاک ہوتا ہے اور سالا ماجر لوگ بھوت پڑیلا ہے۔

انسپکٹر : معلوم ہوتا ہے آج تجھے مال پانی کی بہت اُمید ہو۔ (شنکر کی طرف دیکھتا ہے)

شنکر : جب سے دیش کو آجادی ملا ہے مال پانی کا کیا کمتی ہے وہ تو روج آتا ہے۔

انسپکٹر : لیکن یہی مال پانی ایک روز جیل کا راستہ دکھا سکتا ہے۔

شنکر : تم بی کیا جیل کا بات کرتا ہے حوالدار بابو۔ جب اپنا بڑا بڑا لیڈر لوگ جیل کاٹ کر آیا ہے تو فیر سنکر کا کیا ہے ؟

انسپکٹر : مگر جیل میں مال پانی کہاں سے ملے گا۔

(بلبل ہاتھ میں بکس لیے آتا ہے۔ لباس وہی ہے جو پہلے اور دوسرے منظر میں تھا۔)

شنکر : ارے ! ارے ! مال پانی لے رجاتا ہے (لپک کر بلبل کو بیٹھا

لیتا اور ایک جھٹکے سے اپنی طرف پٹاتا ہے)

بلبل : پانی ! پانی ! کہاں ہے پانی ! اِسی کی تلاش میں تو نکلا ہوں بھیّا

اللہ واسطے پتہ تو بتا دو۔

شنکر : اَبے اِدر پانی وانی کدر ہے۔ یہ کشٹم چوکی ہے کشٹم چوکی !

بلبل : ارے ہاں جانتے ہیں کسٹم چوکی ہے۔ یہاں پیاس سے دم نکلا جا رہا ہے۔ ہم پانی کو پوچھتے ہیں اور تم کہتے ہو کشٹم چوکی ہے۔ لعنت ہو اِس کسٹم چوکی پر۔ کسٹم چوکی کیا ہے ! اچھا خاصا کربلا ہے۔

شنکر : اے اے ! گالی کس کو نکالتا ہے۔ دیکھ کے بات کرو (بلبل کو دھکا دیتا ہے)

بلبل : آہا ہا ہا ! گالی کس کو نکالتا ہے ! کیا پیاری اُردو فرماتے ہیں آپ۔ سبحان اللہ۔ اماں اللہ کے واسطے اُردو زبان کا جنازہ تو نہ نکالو !

شنکر : اے بڈّا ! ہم بولتا ہے اِدر ٹھیرو ! جیادہ بک بک نیں کرو۔ نیں تو ایک جھانپڑ دینگا (ہاتھ اُٹھاتا ہے)

بلبل : (ڈر کے پیچھے ہٹتے ہوئے) ارے ارے ! قسم اللہ پاک کی ہم نے پنڈت نہرو سے بھی گفتگو کی ہے لیکن یہ رُعب نہیں دیکھا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے ہندوستان کے مالک آپ ہی ہیں۔

انسپکٹر : آخر آپ چاہتے کیا ہیں جناب ؟

بلبل : اجی کیا خاک چاہتے ہیں۔ پانی کی ایک ایک بوند کو ترس رہے ہیں۔

انسپکٹر : تو اِس طرف کیوں جا رہے ہیں۔ اُس طرف تو لغیر تلاشی

لیے چھوڑا نہیں جاتا۔ اُدھر تو پاکستان ہے !

بلبل : تو ہم کیا یہاں تفریح کرنے آئے ہیں۔ ہم بھی تو پاکستان جانا چاہتے ہیں بھیا (آگے بڑھتا ہے)۔

شنکر : (ٹیبل پر ہاتھ مار کر) تم نہیں جانا سکتا۔

بلبل : یعنی ہندوستان میں رہنا چاہتے ہوں تو رہ بھی نہیں سکتے اور پاکستان جانا چاہتے ہیں تو کہتے ہیں "نہیں جانا سکتا" بھئی واہ! کیا نادر شاہی ہے۔

شنکر : ابی ادر ٹھیرو! چیکن کے ٹائم میں بھوت ٹائم پڑا ہے۔

بلبل : جی ؟

شنکر : ابی ادر ٹھیرو! چیکن کے ٹائم میں بھوت ٹائم پڑا ہے۔
(انسپکٹر ٹیبل کی طرف جاتا ہے۔ بلبل بھی اُس کے پیچھے جاتا ہے)

بلبل : (حوالدار سے) کیا ارشاد فرمایا آپ نے ؟

انسپکٹر : ابھی کچھ دیر ٹھیریئے۔

بلبل : ٹھیریئے ؟ کیوں ٹھیریئے ؟ اجی جب گھر دار ہی چھوڑ دیا تو کیا ٹھیریئے۔

شنکر : (حوالدار کے پیچھے سے میز کی سیدھی طرف آکر، ابی ہم بولتا ہے ٹھیرو !

بلبل : آخر یہ کون سا قانون ہے ؟

شنکر : (بلبل کو دھکا دیتے ہوئے) اے! اِدر کانون وانون نہیں چلتا۔

بلبل : ہاں تو بھیا ایسا کہو نا! اِدھر پنڈت نہرو کی نہیں بلکہ کیا نام ہے آپ کا ؟

شنکر : سنکر !

بلبل : سنکر ! ہاں شنکر جی کی حکومت ہے !

شنکر : حوالدار بابو ! بڈا ابھوت مُنھ جور مالوم ہوتا ہے کھولی بند کر دوں !

انسپکٹر : ارے چھوڑ ۔ اے بڑے میاں ۔ لاؤ تمھاری تلاشی تو لے لوں ۔

بلبل : تلاشی ؟ کاہے کی تلاشی ؟ تلاشی ہی کے ڈر سے تو ہم ہندوستان چھوڑ رہے ہیں ۔ اب کاہے کی تلاشی ؟

شنکر : اے اجا دہ بک بک نہیں کرو ۔ ڈبہ دکھاؤ !

بلبل : آخر کیوں دکھاؤں ؟ ہمارا مال ہے ہم چاہے دکھائیں چاہے نہ دِکھائیں ۔ تم کون ہوتے ہو حکم دینے والے ؟

انسپکٹر : یہ گورنمنٹ کا حکم ہے مولوی صاحب !

بلبل : بھئی اچھی گورنمنٹ بنائی ہے آپ لوگوں نے جو ہر ایک کے ڈبے میں جھانکتی پھرتی ہے (ڈبہ اُٹھا کر سیدھی جانب پلٹتا ہے) گورنمنٹ کیا ہوئی آفت ہو گئی ۔ اب آپ کہیں گے ذرا اپنی جیبیں بھی دِکھا دو ۔ بھلا یہ بھی کوئی بات ہوئی ؟

انسپکٹر : ہم آپ کی جیبیں بھی دیکھیں گے !

بلبل : واللہ !

انسپکٹر : جی ہاں !

بلبل : تو بھیا ایسی گورنمنٹ کو ہمارا دور ہی سے سلام ۔ ہم تو چلے پاکستان ۔

(ڈبے کر دوڑنے لگتا ہے۔ شنکر لپک کر اُس کی
گردن پکڑ لیتا اور ڈبہ چھین لیتا ہے۔)

شنکر : ارے ارے! کِدر جاتا ہے۔

بلبل : ارے ارے! خداوندا یہ کیا ظلم ہو رہا ہے۔

شنکر : جُلم نہیں یہ ہمارا ڈیوٹی ہے!

بلبل : یعنی ظلم کرنا تمہاری ڈیوٹی ہے۔ قسم اللہ پاک کی اگر نواب صاحب سے وعدہ نہ کیا ہوتا تو ابھی ہندوستان پہونچ کر پنڈت نہرو سے یہ ساری داستان بیان کر دیتا اور پھر دیکھتا کہ تمہاری کیا گت بنتی ہے۔

(ڈبہ چھیننے کی کوشش کرتا ہے۔ شنکر ایک
جھٹکے سے ڈبہ کھولتا ہے۔)

شنکر : (ڈبے میں سے زیور نکالتے ہوئے) تم یہ جیور پاکستان نیں لے جاسکتا۔

بلبل : ہائیں! وہ کیوں؟

شنکر : گورمنٹ کا آڈر ہے۔

بلبل : ارے یہ مرحومہ کی نشانی ہے کمبختو۔ (انسپکٹر کے قریب جاکر) پہلے ہی ایک انگوٹھی تمہاری حکومت کو دے چکا ہوں اب کیا جان دے دوں۔

انسپکٹر : انگوٹھی (کھڑا ہو جاتا ہے)

بلبل : ہیرے کی تھی بھیا! (بلبل ہمدردی حاصل کرنے کے لیے انسپکٹر کی طرف بڑھتا ہے۔ شنکر موقع پاکر ڈبہ سے زیور نکال کر اپنی جیب میں بھر لیتا ہے۔ اور ڈبہ بند کر دیتا ہے تاکہ بلبل کو پتہ نہ چلے۔)

انسپیکٹر : اچھا جاؤ! شنکر چھوڑ دو انھیں۔

شنکر : پنکی گورمنٹ کے آڈر کو کیا کرینگا حوالدار بابو۔

انسپیکٹر : نہیں نہیں! جانے دو انھیں۔

شنکر : اچھا جاؤ! (ڈبہ بلبل کو دیدیتا ہے)

بلبل : کیوں! دیکھتے دیکھتے گورنمنٹ کا آڈر بدل گیا؟

شنکر : ابی کھاموس رہو!

بلبل : ارے اللہ سے ڈرو ظالمو! محض اپنی جیبیں بھرنے کے لیے غریبوں کو کیوں پریشان کرتے ہو؟

شنکر : ابی تم کو جیل کرادینگا!

بلبل : کیا جیل سے ڈراتے ہو؟ یہ زندگی کیا جیل کی زندگی سے کم ہے؟

انسپیکٹر : اے مولوی صاحب۔

بلبل : جی فرمایئے؟

انسپیکٹر : جاؤ تم یہاں سے!

بلبل : جا ہی تو رہے ہیں بھیّا! رہنا کون چاہتا ہے یہاں۔

(بلبل چلا جاتا ہے)

شنکر : اور لوگوں کو بلاؤں مائی باپ!

انسپیکٹر : ہاں بلاؤ (شنکر اسٹیج کی بائیں طرف جاتا ہے)

شنکر : پیچھو بھبوت لاین لگا ہے مائی باپ! اکیلا اکیلا کو چھوڑتا ہے (ونگ کی طرف دیکھ کر) اے۔ اے۔ جلدی نیں کرو! ایک ایک آدمی آؤ! آؤ! آتا کیوں نیں؟

(چھوٹے نواب آتا ہے۔ ہاتھ میں ٹرنک ہے اور کندھے

پر بستر، پینٹ اور شرٹ میں ملبوس ہے)۔

شنکر: سیدھے کھڑے رہو بے!

نواب: سیدھے منھ بات کرو جی!

شنکر: او سالا مگر اپن دکھاتا ہے۔

نواب: سالا! کون سالا؟ اوہ! انسپکٹر صاحب! یہ آپ کو سالا کہتا ہے۔

انسپکٹر: (سامان دیکھتے ہوئے) کون؟

نواب: (شنکر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) یہ آپ کو سالا بولتا ہے۔

انسپکٹر: شنکر!

شنکر: اُوف! سالا چار سو بیس۔ تم ہم لوگ کو تیج لڑاتا ہے۔ ابی تیرا سامان جبط کر کے کھولی بند کرا دینگا۔

انسپکٹر: شنکر خاموش رہو! یہ بستر کھولو۔

شنکر: (چھوٹے نواب سے) بستر کھولو!

نواب: انسپکٹر صاحب تم سے کہتے ہیں اور تم ہمیں حکم دیتے ہو۔

شنکر: ابی ہم بولتا ہے کھولو! (بستر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے)

نواب: اُوہ! یہ تاؤ! خیر سگریٹ پیئیں گے؟

شنکر: بستر کھولو!

نواب: کچھ چائے پانی؟

شنکر: منگتا نئیں! بستر کھولو!

نواب: بستر میں کیا ہے بھیا! تم اپنا حق لے کو نا!

(جیب میں ہاتھ ڈال کر شنکر کے ہاتھ میں کچھ رکھتا ہے)

شنکر : پیٹی کھولو!

نواب : یعنی پیٹی کا الگ ؟

شنکر : ہم بولتا ہے پیٹی کھولو!

نواب : ابی چابی نہیں ہے تو کدر سے کھولینگا ؟

انسپکٹر : شنکر ! ٹرنک توڑ دے!

نواب : ٹرنک توڑ دیگا ؟ قسم ہے شرط ہو جائے!

انسپکٹر : توڑ دے ٹرنک (شنکر بستر کے قریب بیٹھ جاتا ہے)

نواب : (پکارتا ہے) ڈاکٹر! او ڈاکٹر!

(ڈاکٹر دوڑتا ہوا آتا ہے۔ لنگی شرٹ اور پینٹ میں ملبوس ہے)

ڈاکٹر : کیا ہے چھوٹے نواب ؟

نواب : کیا انسپکٹر صاحب کو چابی دے دوں ؟

(جیب میں اسطرح ہاتھ ڈالتا ہے جیسے چاقو نکالنے والا ہو۔)

ڈاکٹر : نواب یہ کیا ہو رہا ہے ؟ چابی میرے پاس ہے! یہ لیجئے! لیکن انسپکٹر صاحب اس سے پہلے اسٹیشن پر بھی ساری چیزیں دیکھ لی گئی ہیں۔

نواب : وہاں جو کچھ چھوڑ دیا گیا ہے وہ یہاں لے لینا چاہتے ہیں۔ میں کہتا ہوں چابی دے ہی دینی چاہیئے۔

ڈاکٹر : نواب یہ کیا کرتے ہو۔ انسپکٹر صاحب چابی یہ ہے۔

(جیب میں ہاتھ ڈال کر کچھ نکالتا ہے انسپکٹر کے ہاتھ میں دکھ دیتا ہے۔ انسپکٹر اپنی جگہ سے اٹھکر قریب آتا اور بستر اور ٹرنک پر چاک سے نشان لگا دیتا ہے۔)

انسپکٹر: جاؤ!

(نواب اور ڈاکٹر سامان اُٹھا کر چلے جاتے ہیں۔ شنکر ونگ تک اُن کے پیچھے پیچھے جاتا ہے اور پھر واپس آکر میز کے قریب کھڑا ہو جاتا ہے)

شنکر: حوالدار بابو! ابی پہلے وہ دو سکار دیکھ لیو نا!

انسپکٹر: صرف دو ہی؟

شنکر: آج مال پانی تو بہت آیا ہے پن اُدرچ چل کر دیکھنا پڑینگا۔۔

انسپکٹر: نہیں نہیں! یہیں دیکھ لیں گے۔

شنکر: یہ سالا ماجر لوگ ریتی میں پیسہ چھپاتا ہے اور گریبی کے مافک آتا ہے۔ اس واسطے ہم بولتا ہے تم اُدرچ چلو کھوب مال پانی ملینگا۔

انسپکٹر: اچھا چلو! اُدھر ہی چلتے ہیں۔

(دونوں جاتے ہیں۔ پردہ گرتا ہے)

پانچواں منظر

کھوکھراپار کی ایک سڑک۔ ایک کنارے پر ایک پان سگریٹ کا کیبن ہے۔ کیبن پر ایک لڑکا سندھی لباس میں بیٹھا صفائی کر رہا۔ کیبن کے ایک طرف بجلی کے پول سے لگ کر ایک نوجوان بیٹھا ہوا ہے۔ پینٹ اور بش شرٹ میں ملبوس۔ لڑکا کیبن کی گرد جھاڑتا ہے جو نوجوان پر گرتی ہے]

زاہد : (پلٹ کر غصّے سے دیکھتا ہے) ابے اندھا تو نہیں ہو گیا ! دیکھتا نہیں۔

لڑکا : (خوفزدہ ہو کر اس کی طرف دیکھتا ہے۔)

زاہد : (لڑکے کی طرف سے مُنہ پھیر کر) بے وقوف کہیں کا !

(لڑکا کیبن کی صفائی کرتے کرتے سگریٹ کے خالی پیکٹ زاہد کی طرف پھینکتا ہے)

زاہد : (اُٹھ کر لڑکے کے سامنے آتے ہوئے) ابے دماغ تو خراب نہیں ہو گیا تیرا ؟

لڑکا : (پکارتا ہے) دادا ! او دادا !

زاہد : (قریب پہنچ کر) دادا کے بچے ! آنکھیں تو نہیں پھوٹ گئیں تیری ایک آدمی بیٹھا ہے دکھائی نہیں دیتا تجھے ؟

لڑکا : (لڑکا پکارتے ہوئے) ہکڑ دینا گیر آیو آہے۔

زاہد : کیا کہا پناہ گیر (ہاتھ اٹھاتے ہوئے) ایسا دوں گا جھانپڑ کہ دماغ درست ہو جائے گا۔

لڑکا : (پکارتا ہے) دادا ! او دادا !

زاہد : ارے عجیب لونڈا ہے (پول کی طرف جاتے ہوئے) لاحول ولا قوۃ!

(ایک ضعیف سندھی ہاتھ میں ٹاٹ کا تھیلا لیئے ہوئے آتا ہے۔ زاہد کو دیکھ کر)

سندھی : سائیں! ہوڑے سائیں!

زاہد : سائیں! کون سائیں! فقیر سمجھتا ہے ہمیں؟

سندھی : فکیر نیں سائیں! ہم تو تیرے کو سائیں بولتا پڑا ہے۔

زاہد : پھر وہی سائیں! اماں تیرے پاس تہذیب نام کی کوئی چیز بھی ہے؟

سندھی : (کیبن کے قریب جا کر۔ تھیلی رکھتے ہوئے) تہجیب! جرگا ہے، کیفٹن ہے، سیجر ہے، پاسنگ شو ہے، تہجیب نیں ہے بابو!

زاہد : (کپڑے جھاڑ کر بستر پر بیٹھ جاتا ہے) اماں! اخلاق بھی تو کوئی چیز ہے؟

سندھی : بڑ بڑ وہ حیرانی میں کرو سائیں! وڑی ہم تم کو بولتا پڑا ہے جرگہ ہے، سیجر ہے، کیفٹن ہے، پاسنگ سو ہے۔ وڑی اِدر اکلاک، تہجیب اکھا مارکیٹ میں نیں مِلتا نی۔ وڑی ہم گریب آدمی ہے ہم کدر سے لائینگا نی؟

زاہد : ہاں! (حیران ہوتا ہے)

سندھی : وڑی ادر کیا بابو! اپن اکھا مارکیٹ میں سیجر، جرگہ، پاسنگ سو ہی چلتا پڑا ہے۔ تمہارا اکلاک، تہجیب کا مال کونسا دھنی نے اسٹاک کرتا پڑا ہے ہم کو پتہ نہیں۔ بی شک کہ اگر

پتہ ہوینگا بھی تو اُدھر بڑا بڑا دھنی لوگ اُس کا بلیک مارکیٹ کرتا پڑینگا۔ ابی اِس سال کے ۲۵ پاکٹ ملتا پڑا ہے وڑی وہ بولتا ہے پانچ پاکٹ ملینگا۔ وڑی تم بولو نی ہمارا ردی میٹی کِدر سے چلینگا۔ (اسٹول پر بیٹھ جاتا ہے)

زاہد : اوہ! اب میں سمجھا۔ تم نے بات تو بڑے پتے کی کہی ہے چاچا۔ (جیب سے سگریٹ نکال کر جلاتا ہے)

سندھی : اڑے شاباش رے شاباش! ہر کوئی لوگ تو ایسا سمجھتا نئیں پڑا سائیں! یہ تو دیپارجی گال ہے کوئی کوئی لوگ ہی سمجھتا پڑا ہے۔

زاہد : سچ کہتے ہو آج کل اخلاق اور تہذیب کا مارکٹ ہی کہاں ہے۔

سندھی : اڑے مارکیٹ ہوینگا تو ضرور۔ پر یہ جو بڑا بڑا دھنی لوگ ہوینگا وہ بڑا اچھو ڑ نٹی ہوتا پڑا ہے۔ وہ دیکھینگا کی تم جیسا بابو لوگ میں اکلاک تہجیب بھوت چالو پڑا ہے وڑی وہ ایک ٹائم پہ اس مال کا اسٹاک کرتا پڑینگا۔ فیر بلاک میں بیچینگا۔ وڑی تم بولینگا کی جانو چاچا تم جاکر اکلاک بیڑی لا دو نی تو ہم سالا کِدر سے لاتا پڑینگا! اجن ہمارا راسن کارڈ دیکھونی! وڑی بابو ہم کو پڑنا مڑنا نئیں آوے پر کمپنی کے پڑنے مڑنے والے دھنی نے ہمارے راسن کارڈ کی کِسمت میں اکلاک تہجیب کا نمبر نئیں لگایا۔ وڑی بابو ہم کو پڑنا مڑنا نئیں آوے ہم اکلاک تہجیب کِدر سے لائینگا نی؟

زاہد : سچ کہتے ہو چاچا! لکھنے والوں نے تمہارے راشن کارڈ میں

کیا لکھ دیا ہے اس کا تمہیں علم ہی نہیں تو تم سے کس بات کا گلہ کیا جا سکتا ہے۔ (کھڑا ہو جاتا ہے)۔

سندھی: ہم تو گریب آدمی ہے بابو ہم کو پڑنا مڑنا ئیں آدے!

زاہد: ایک تم ہی کو اس کا غم نہیں چاچا! آج زمانے بھر کے غریبوں کو اسی کی شکایت ہے کہ پڑھنا لکھنا بھی ایک ہی طبقے کی میراث بن گیا ہے۔ اس کا بھی بلیک ہو رہا ہے۔ تم تو غریب آدمی ہو، ان پڑھ آدمی، تمہاری چھوٹی سی دوکان سے میں وہ چیز کیسے مانگ سکتا ہوں جو مجھے حکومتوں اور مملکتوں سے بھی نہیں مل سکتی (بستر پر بیٹھ جاتا ہے)

سندھی: اڑے شاباش ڑے شاباش! اِدھر آدَنی! بیڑی میڑی پیو!

زاہد: نہیں نہیں آپ پیجئے! میں بیڑی نہیں پیتا!

سندھی: بیڑی نئیں پیتا! فیر تم کیا مانگتا تھا بابو؟

زاہد: میں جو مانگتا تھا وہ تم نے مجھے دے دیا!

سندھی: ہی ہی ہی ہی! دے دیا! کب دے دیا؟ مسکری نئیں کردنی سائیں!

زاہد: تم بہت معصوم ہو چاچا! تم سے ایسی باتیں کرنا ہی غلطی ہے! تم جانتے ہی نہیں کہ تم نے دنیا کو کیا کیا دیا ہے۔

سندھی: اڑے شاباش! سچی بات کردنی! ابی ہمارے پاس ہوینگا تو ہم تم کو دینگا۔ کیوں بابو؟

زاہد: سچ کہتے ہو!

سندھی : وڑی ادھ آدمی بائی شاب!

زاہد : نہیں نہیں یہیں ٹھیک ہے۔

سندھی : اُدر کدر ٹھیک ہے! اُدر تو سٹرک ہے۔ ابی پولیس تم کو دیکھینگا تو ایک دم سے تمہارا چالین مار دینگا۔ اِدر دوکان و ٹی کھرب آدمی بائی شاب۔ آدمی!

زاہد : (بستر کھینچ کر کیبن کے قریب لے آتا ہے) آپ کی ہمدردی کا شکریہ (کیبن کے پاس ایک کرسی پر بیٹھ جاتا ہے)

سندھی : چائے شائے پیوینگا؟

زاہد : جی نہیں!

سندھی : سگریٹ مگریٹ؟

زاہد : پی رہا ہوں!

سندھی : نسوار لیونیں۔

زاہد : نہیں چاچا میں نسوار استعمال نہیں کرتا۔

سندھی : پریشانی کا بات ہے! تم نسوار نیں لیتا؟

زاہد : نہیں تو......

سندھی : ابی کدر سے آتا پڑا ہے بابو؟

زاہد : لال قلعے سے!

سندھی : لال کلا۔ لال کلا کدر ہوتا پڑا ہے بابو؟

زاہد : ہندوستان میں!

سندھی : ارے تم پناگیرا۔

زاہد : ہاں!

لڑکا : دادا یہ پناگیر ابولنے پر مارتا پڑا ہے۔

سندھی : مارتا پڑا ہے۔ چھو بھلا مارتا پڑا ہے ؟

لڑکا : اس کے مگج دی کھرابی معلوم ہوتا پڑا ہے دادا۔

سندھی : اڑے تم کھاموس پڑدنی !

زاہد : ہاں چاچا ! لڑکا صحیح کہتا ہے۔

سندھی : تم پناگیر ابولنے پر کس واسطے مارتا پڑا ہے بابو !

زاہد : یہ پناگیر اہمارے لیے ایک گالی ہے چاچا۔

سندھی : کھسم سے ! یہ تو ہمارا بولی ہے بابو !

زاہد : لیکن ہمارے لیے ایک گالی ہے چاچا۔

سندھی : کسم سے ؟ فیر ہم کیا بولینگا بابو ؟

زاہد : مہاجر کہو ! مہاجر !

سندھی : ماجر !

زاہد : ہاں !

سندھی : تم ماجر لوگوں کو دیکھ کر ہمارا کلیجہ افسوس کرتا پڑا ہے بابو !

زاہد : دنیا یہی بات تو نہیں سمجھتی چاچا ! وہ تمہارے پناہ گیر کہنے پر بھڑک اُٹھتی ہے۔ دُنیا تمہاری زبان دیکھتی ہے۔ دل نہیں دیکھتی۔

سندھی : جبان ! ہمارا جبان تو سندھی ہے بابو !

زاہد : لیکن تم اُردو بھی تو بول لیتے ہو چاچا !

سندھی : اُردو ! ہاہاہا ! اُردو کیوں نہیں بولینگا ! اُردو تو سندھی کا بھین ہے۔

زاہد : اُردو سندھی کا بہن ہے ۔
سندھی : بی شک کہ پنجابی کا بھی بھین ہے ۔
زاہد : اچھا ؟
سندھی : بی شک کہ پشتو اور عربی کا بھی بھین ہے ۔
زاہد : اچھا !
سندھی : جھوٹ نیں بولینگا نی ! اِدر تو سب لوگ اُردو ہی بولتا پڑا ہے ۔ اُردو نیں ہووے تو کسی کسی ٹیم پر سندھی ، پنجابی سے ، پنجابی پٹھان سے کیسے بات کریں گا نی بابو !
زاہد : کرنے والے تو انگریزی میں بھی کر لیتے ہیں چاچا ۔
سندھی : انگریجی ! لخا لعنت ۔ وڈی وہ تو افسر لوگ کا جبان ہے بابو ۔ گریب لوگ تو سب اُردو ہی بولتا پڑا ہے ۔ معلوم ہوتا ہے تو ابی اِدر نوا نوا پڑا ہے ۔ تم ابی اِدر کتنے دِن سے رہتا پڑا ہے بابو !
زاہد : پورے سات دِن سے !
سندھی : اکھا سات دِن سے تم اِدر فُٹ پات پر رہتا پڑا ہے بابو !
زاہد : ہاں !
سندھی : روٹی مانی کھایا کی نیں (بچے کی طرف دیکھ کر) اڑے بخشو ! چانول جی مانی اور لسّی کھڑی ایںج ۔
زاہد : یہ کیا ؟
سندھی : روٹی مانی کھادی نی بابو ! اڑے بخشو (جانبکا اشارہ کرتا ہے)

زاہد : میرے لیے منگوا رہے ہو ؟

سندھی : اور ہم بھی تمہارے ساتھ کھانا پڑینگا بابو۔

زاہد : تم کھا لو چاچا۔ میں کھا چکا ہوں۔

سندھی : کھایا ہو ینگا تو ہو ینگا۔ تیرا رب جانتا پڑا ہے۔ وڈی میرے کو پیر صاحب نے کسم دیا پڑا ہے کہ جانو میمان جی تو اسع بی شک کہ جنتی جی نشان تہے۔ اڈے بخشو ہلو ہلو تیز کھڑی لج۔

(لڑکا چلا جاتا ہے)

زاہد : میں میہمان نہیں ہوں چاچا کھڑا ہو جاتا ہے میں تو یہاں ساری زندگی گذارنے آیا ہوں۔

سندھی : بی شک کی جم‌ در آؤ بابو۔ خدا سائیں سب کو روٹی میٹی دیتا ہے۔

زاہد : تم کام کیا کرتے ہو چاچا۔

سندھی : تم بڑا لکھا بابو نے ہم کو چاچا بول کر ہمارا طبیعت کھوس کر دیا ہے ہم گریب آدمی ہے۔ پانی کے ٹیم پر ہم کھیت میں کام کرتا پڑا ہے فیر بیڑی میٹری بیچ لیتا ہے۔ بی شک کہ کھدا سائیں کا مہربانی ہے۔

زاہد : تم یہاں کتنے دِن سے رہتے ہو چاچا !

سندھی : کتنے دِلوں سے ؟ ہاہاہا ! بی شک کہ تم بھو کا پڑا ہے بابو۔

زاہد : کیوں ؟

سندھی : کسم سے بڑا مسکری کرتا پڑا ہے بابو۔

زاہد : اسمیں مذاق کی بات کیا ہوئی ؟

سندھی : ابی ہمارے باپ دادا نے ہم کو نیں بولا کہ ہم کتنے
دلوں سے رہتا پڑا ہے تو ہم کیسے بتا دینگا نی۔ ابی تم بولینگا
باپ دادا کو پوچھو تو ہم کیسے پوچھینگا نی بابو۔ وہ تو مر گیا ہے
(مسکراتا ہے)

زاہد : تمہارے باپ دادا بھی سندھی تھے ؟

سندھی : ہاہاہا ! سندھی نیں ہوینگا تو کیا ہوینگا۔ بڑا مسکری کرتا ہے
تم۔ ہم کو معلوم پڑتا ہے کہ تم بھوکا پڑا ہے۔ حیرانی کا بات ہے۔ تم
بھوک میں ایسا بات بولتا پڑا ہے۔

زاہد : بھوک تو ایک مستقل بیماری ہے چاچا ! تم کب تک اس کا
علاج کر سکو گے۔

سندھی : خدا کا سائیں کا مہربانی ہے۔ وہ سب لوگ کو روٹی میٹی دیتا
ہے۔ تم تو پڑھا لکھا ہے۔ تم اتنی بات نہیں جانتا بابو۔

زاہد : پڑھے لکھے لوگوں کی یہی تو بدنصیبی ہے کہ چاچا کہ ان کے اعتقاد
میں ایسی پختگی نہیں ہوتی جتنی تمہارے اعتقاد میں ہوتی ہے۔
وہ تو آسمانی خدا سے زیادہ زمین پر بسنے والے خداؤں کا
احترام کرتے ہیں۔

(بلبل ہاتھ میں ٹرنک لیے ہوئے آتا ہے اور کیبن
کے سامنے کھڑا ہو جاتا ہے)

بلبل : گلوریاں تازہ ہیں ؟

سندھی : آں !

بلبل : گلوریاں تازہ ہیں ؟

سندھی : ہم کو سمجھ نہیں پڑا چاچا !

بلبل : کیا کہا ؟

سندھی : ہم کو سمجھ نہیں پڑا چاچا !

بلبل : یعنی چاچا ! کون چاچا !

سندھی : ہم تم کو بولتا پڑا ہے چاچا !

بلبل : چاچا ! ادہو ! یعنی آپ میرے بھتیجے ۔ میری بھائی نواب رشید الملک زاغ کے فرزند ۔ ذرا صورت تو دیکھ اپنی ۔ ہزار لعنت ہو تجھ پر جو دیکھتے ہی دیکھتے مجھے اپنا چچا بنا لیا ۔ لاحول ولا قوۃ ! عجب جاہلوں سے سابقہ پڑا ہے ۔

زاہد : معاف کیجیے جناب ! پھر آپ نے اُن علماء کا ساتھ چھوڑ کر اِدھر کا رُخ کیوں فرمایا ہے ؟

بلبل : علماء ! کون علماء !

زاہد : وہی ہندوستانی علماء !

بلبل : اماں تم صورت سے تو شریف آدمی معلوم ہوتے ہو مگر کہہ کیا رہے ہو تم ؟

زاہد : جی میں عرض کر رہا تھا کہ آپ نے ساری زندگی جن علماء کی صحبت میں بسر فرمائی تھی آج اُنہیں چھوڑ کر اِس جہالت کدے میں آنے کی ضرورت کیوں پیش آئی ۔

بلبل : اماں واللہ ! تم تو اچھے خاصے فلسفی معلوم ہوتے ہو ! کوئی بات ڈھنگ کی کر دیتیا ۔ آخر تم کہنا کیا چاہتے ہو ؟

زاہد : جی میں عرض کر رہا تھا کہ آپ اپنی گفتگو کا انداز بدلیے ۔ یوں کسی

کو جاہل اور بے وقوف کہنا ٹھیک نہیں۔

بلبل : تو میں نے تمہیں کب کہا تھا بھیا؟

زاہد : (زیادہ غصے میں) مجھے کہتے تو میں منہ توڑ جواب بھی دے دیتا! لیکن یہ جو آپ کی باتوں کو نہ سمجھتا ہے اور نہ کچھ کہنے کی صلاحیت رکھتا ہے ایسے بھولے بھالے اور معصوم انسان کو جاہل اور بیوقوف کہہ دینا آپ کی کون سی عالمانہ شان ہے جناب؟

بلبل : تو پھر کیا اُسے شمس العلماء کہوں؟ جو گلوری کا مفہوم نہ سمجھے اُسے جاہل نہیں تو اور کیا کہا جا سکتا ہے؟

زاہد : اور جو اپنے آپ کو عالم سمجھنے کے باوجود ایک معصوم اور بھولے بھالے انسان کے جذبات کو نہ سمجھے اُسے میں کیا کہوں؟

بلبل : اماں تم تو واقعی فلسفی معلوم ہوتے ہو اور مجھے فلسفیوں سے نفرت ہے (جانے لگتا ہے)

زاہد : آپ کو مجھ سے نفرت ہے، اِس سے نفرت ہے۔ اُن لوگوں سے نفرت ہے جنہوں نے آپ کو اپنے وطن سے یہاں بھیجا ہے۔ آخر آپ کو محبت کس سے ہے جناب؟

بلبل : (جاتے جاتے) جہنم سے!

زاہد : معاف کرنا! آپ جہنم سے بھی خوف کھاتے ہیں۔ محبت نہیں کرتے۔ آپ دراصل جنت کی تلاش میں نکلے ہیں اور وہ آپ کو اِس دُنیا میں تو نہیں مِل سکتی! آپ جھوٹ بولتے ہیں۔

بلبل : (رک کر پلٹتا ہے) جھوٹ!

زاہد : ہاں آپ جھوٹ بول رہے ہیں۔

بلبل : راہ گیروں پر جملے کستے تمہیں شرم نہیں آتی ؟

زاہد : شرم تو آپ کو آنی چاہیے ! آپ جن کے وطن میں آئے ہیں انہیں جاہل اور بے وقوف کہتے ہیں !

بلبل : اماں اللہ واسطے انسانیت سے کام لو ۔

زاہد : بڑی دیر سے میں یہی بات آپ سے کہنا چاہتا تھا ۔

بلبل : لاحول ولاقوۃ ! عجب منحوس سے سابقہ پڑا ہے ! اماں چھوٹے نواب کہاں ہو تم ۔

(چھوٹے نواب ہاتھوں میں ٹرنک اور بستر لیے آتا ہے ۔ کالی شیروانی، چوڑی دار پاجامے میں ملبوس ہے ننگے سر اور پیر میں شوز)

نواب : جی آ ہی تو رہا ہوں چاچا !

بلبل : کیا خاک آ رہے ہو ! ذرا اس شہدے کو تو دیکھو !

زاہد : (غصے سے کھڑا ہو جاتا ہے) شہدا ۔

نواب : کون شہدا ! یہ ! کیوں بے کیا ہو رہا ہے یہ ؟

زاہد : تمیز سے بات کرو !

نواب : (بستر اور ٹرنک زمین پر رکھ کر) ابھی تجھے تمیز سکھاتا ہوں ۔

سندھی : اے اجیادہ مستی نیں کرونی !

نواب : اچھا تو گویا آپ بھی ہیں ؟ (زاہد کے قریب آتا ہے) اماں کون . . . . .

زاہد : کون ؟

نواب : اوہو زاہد (لپٹ جاتا ہے) تم ادھر کیسے ؟

(ڈاکٹر بھی سوٹ میں ملبوس ٹرنک اور بستر لیے آتا ہے۔ ٹرنک
اور بستر زمین پر رکھ کر دولہن کی طرف متوجہ ہوتا ہے)

ڈاکٹر : کون ؟

نواب : دیکھو!

ڈاکٹر : اوہ! زاہد! تم بھی آگئے۔ کتنے دن ہوئے تمہیں یہاں آکر

زاہد : سات دن!

(لڑکا لسی اور روٹی لیکر آتا ہے)

لڑکا : دادا! اِدر یہ کِس کِس کو دیوے۔ اِدر تو جرا جرا دیر میں پناگیر ا کا نمبر بڑتا جاوے۔

سندھی : اڑے پناگیر انیں بول نی۔ یہ لوک ہمارا بولی سمجھتا نئیں۔ ماجر بولو ماجر (زاہد کی طرف دیکھ کر) اِدر دکان دی آدنی بائی شاب۔

زاہد : اوہ معاف کرنا ذرا میں اپنے سندھی چاچا سے تعارف کراؤں۔ چاچا یہ بھی مہاجر لوگ ہیں اور اب مہاجروں کی تعداد بڑھتی جا رہی ہے اس لیے اب آپ اپنی لسی اور روٹی واپس کر دیجیے۔

سندھی : نی بابو یہ نیں ہوگا! ہم گریب آدمی ہے گھدا سائیں جتنا بھی دیتا پڑا ہے سب مِل کر کھاویگا۔

زاہد : اوہ مولانا! اب بھی آپ دُور ہی کھڑے ہیں۔ کاش آپ نے یہ جملہ سُن لیا ہوتا۔

نواب : اماں یار زاہد! تم بلبل چاچا کو نہیں جانتے ؟

زاہد : اللہ کا شکر ہے کہ نہیں جانتا۔

ڈاکٹر : بلبل چاچا!

بلبل : کہو کیا کہنا چاہتے ہو ؟

ڈاکٹر : آپ مولوی ابراہیم علی خاں صاحب افضل الاطباء کو نہیں جانتے ؟

بلبل : کون کہتا ہے کہ ہم نہیں جانتے !

ڈاکٹر : یہ زاہد اُنہیں کا تو لڑکا ہے ۔

بلبل : ناخلف معلوم ہوتا ہے ۔ ہم نے اس کے باپ کے ساتھ بیس سال گذارے ہیں ۔

زاہد : بلبل چاچا تسلیمات عرض کرتا ہوں ۔ معاف کرنا میں نے آپ کو پہچانا نہیں تھا !

بلبل : اب تو پہچان رہے ہو ؟

زاہد : جی میں شرمندہ ہوں ۔

بلبل : اہاہاہا ! اماں واللہ ! بالکل اپنے باپ کی طبیعت پائی ہے وہی اکھڑا اکھڑا پن جیسے عربی گھوڑا ، کہ تڑپ رہا ہے ۔ لیکن پھر بھی وہ بات کہاں !

نواب : بھئی اللہ کا بڑا احسان ہے کہ تم مل گئے ۔ ورنہ آج رات تو سڑک پر گذارنی پڑتی ۔ مکان دکان کہاں ہے تمہارا ۔

زاہد : جی ؟

نواب : میں کہہ رہا ہوں چلو تمہارے مکان چلیں ۔

زاہد : مکان ! مسلم ہیں ہم وطن ہے سارا جہاں ہمارا ۔ کیا مکان ، کیا فٹ پاتھ ، جہاں جی چاہا ٹھیر گئے ۔

نواب : اوہ ! یہ فلسفیانہ باتیں چھوڑو ۔ ورنہ ایک جھانپڑ دوں گا ۔

ڈاکٹر : آخر کہاں رہتے ہو تم ؟

زاہد : یہ فٹ پاتھ، یہ لائٹ کا پول، یہ چاچا کی دوکان، یہ چاند، یہ تارے،
یہ قمر میرے لیے ہیں۔ سب میرے لیے ہیں۔

نواب : اماں کیا فٹ پاتھ پر رہتے ہو ؟

زاہد : یہ سوال مجھ سے کر رہے ہو یا ساری قوم سے ؟

ڈاکٹر : لاحول ولا قوۃ۔ صاف صاف بتاؤ بھئی آج بسیرا کہاں کریں ؟

زاہد : تو شاہیں ہے بسیرا کر پہاڑوں کی چٹانوں میں۔

ڈاکٹر : مذاق کی بات نہیں ہے زاہد! آخر کہیں نہ کہیں تو رات گذارنی
ہو گی !

زاہد : ایک رات ہوتی تو گذر بھی جاتی دوست! یہاں تو زندگی گذارنی
ہے۔ نہ جانے ایسی کتنی راتیں آئیں گی جن کا استقبال ہمیں سر
شام ہی سے مفلس کا چراغ بن کر کرنا پڑیگا۔ ہم تو یہاں ہمیشہ ہمیشہ کے
لیے آگئے ہیں ڈاکٹر !

نواب : تو پھر کیا انتظام کیا ہے تم نے ؟

زاہد : یہ دیکھو! یہ بستر، یہ ٹرنک، یہ چاچا کی دوکان۔

سندھی : روٹی مانی کھا دنی بابی شاب۔

زاہد : اوہ! ہم ابھی مکان ہی کی سوچ رہے تھے۔ چاچا نے روٹی کا مسئلہ
بھی یاد دلا دیا۔ خیر آؤ۔ آپ لوگ بیٹھ تو جائیں۔ اماں بیٹھو بھی
یار۔ چاچا بیٹھ تو جائیے۔ (زاہد، نواب اور ڈاکٹر بیٹھ
جاتے ہیں۔)

بلبل : یعنی سڑک پر بیٹھ جائیں۔

زاہد : پوری بے تکلفی کے ساتھ ۔

بلبل : اماں کوئی کیا کہے گا ۔ نواب شمس الحق خراباتی جان جاناں کا لڑکا اور سڑک پر بیٹھے ۔

زاہد : ایسے بہت سے لڑکوں کو یہی کرنا ہوگا چاچا ۔ آپ بیٹھ تو جائیے ۔

بلبل : (بیٹھتے ہوئے) اگر کوئی ٹوک دے تو ؟

زاہد : مرزا غالب کا شعر پڑھیے ۔

دیر نہیں حرم نہیں در نہیں آستاں نہیں بیٹھے ہیں رہگذر پہ ہم کوئی ہمیں اٹھائے کیوں

(اُدھر سے دو تین گانے والے آتے ہیں ۔ ایک کے گلے میں ہارمونیم ایک کے ہاتھ میں ساز بجا ہے ایک کے گلے میں ڈھولک ہے ۔)

سندھی : اڑے کاکا ! ان ماجر لوگ کو کچھ گانا مینا سناؤنی ۔ بے چارو لوگ بھوت حیران ہے

زاہد : ہاں چاچا ہو جائے ۔

بلبل : اماں یہ کون سا موقعہ ہے گانا سننے کا ؟

زاہد : موقعہ محل کے تصورات ختم ہو چکے اب تو انہیں سے دل بہلانا ہوگا چاچا ۔ ہاں بھئی شروع کرو ۔

ایک گانے والا : گانے کا ایک روپیہ اور ڈانس کا دو روپیہ ہوگا ۔

زاہد : او ، کوئی بات نہیں ۔

(گانا)

(پردہ گرتا ہے)

چھٹا منظر

صبح کا وقت ۔ لالوکھیت میں ایک جھگی ۔ اسٹیج کے کنارے پر Deep میں ایک چارپائی بچھی ہے جس پر بلبل چاچا ایک چادر اوڑھے سو رہے ہیں ۔ ڈاکٹر ایک طرف بیٹھا اسٹوو درست کر رہا ہے ۔ سوٹ پہنے ہوتے ہے ۔ دوسری طرف زاہد پینٹ شرٹ میں ملبوس بیٹھا شیو بنا رہا ہے]

بلبل : (نیم بیداری کے عالم میں پکارتا ہے) جُمّن ! اماں او جمّن! ذرا حقہ تو لے آ بھیا۔

ڈاکٹر : (اسٹو درست کرتے ہوئے) جی ؟

بلبل : (جماہی لیتے ہوئے) ذرا جمن کو تو بھیجد و بھیا !

ڈاکٹر : (حیرت سے) جمن ! کہاں ہے جُمّن ؟

بلبل : اماں عجب منحوس ہو تم۔ یہیں کہیں ڈیوڑھی میں ہوگا۔ ذرا آواز دے دو بھیا !

ڈاکٹر : ڈیوڑھی ؟

بلبل : ہاں ہاں ڈیوڑھی ! کیا انگریزی میں کہوں تب ڈیوڑھی کا مطلب بھی نہیں سمجھتے ؟

ڈاکٹر : اوہ ! (ڈاکٹر اور زاہد ایک دوسرے کو دیکھ کر قہقہہ لگاتے ہیں۔)

بلبل : ہنستے کیوں ہو جی ؟

زاہد : اس بات پر تو رو دیا بھی جا سکتا ہے۔

بلبل : کیا کہا ؟

ڈاکٹر : چاچا! معلوم ہوتا ہے آپ کوئی خواب دیکھ رہے ہیں۔

بلبل : خواب!!

ڈاکٹر : اور کیا؟ کہاں کی ڈیوٹی کدھر کا جمن! ذرا آنکھیں تو کھولیے یہ لو کیسٹ ہے چاچا۔

زاہد : اماں اب کیا آنکھیں کھولنے کو کہتے ہو ڈاکٹر! چاچا کی عمر تو اب آنکھ بند ہونے کی ہے۔ ظالم نے چونکایا بھی تو کس وقت!

بلبل : (چونکتے ہوئے) کیا کہا؟

ڈاکٹر : ذرا ماحول کا جائزہ تو لیجیئے چاچا!

بلبل : (اُٹھ کر بیٹھ جاتا ہے) اوہ! (جماہی لے کر) معاف کرنا ڈاکٹر میاں۔ واقعی ایسا معلوم ہوتا ہے میں کوئی خواب دیکھ رہا تھا لیکن ڈاکٹر میاں!

ڈاکٹر : جی!

بلبل : تمہارے پاس کوئی سوئی نہیں ہے؟

ڈاکٹر : (حیرت سے) سوئی؟

بلبل : ہاں ہاں میرا مطلب ہے وہ دوائی والی سوئی جس سے تم مریضوں کے جسم میں دوائی چھوڑتے ہو!

ڈاکٹر : جی؟؟

بلبل : ذرا اُس سوئی سے کوئی ایسی دوائی میرے جسم میں داخل کر دو بھیا کہ میں پھر اُسی خواب کی دنیا میں پہونچ جاؤں۔ اِس حقیقی دنیا سے تو وہ خواب کی دُنیا ہی اچھی معلوم ہوتی ہے۔

ڈاکٹر : آج آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں چاچا؟

بلبل : خواب ہی کی باتیں کر رہا ہوں بھیا! خواب کی باتیں تو ایسی

ہی ہوتی ہیں۔

زاہد : لیکن مولانا آخر وہ خواب کیا تھا؟

بلبل : خواب کیا تھا، جنت کا نظارہ تھا، میں نے اپنا معصوم اور پیارا پیارا بچپن دیکھا، گذری ہوئی جوانی دیکھی (جماہی لیتا ہے اور کمنی ٹیک بیٹھ جاتا ہے) اور دیکھا کہ میری ڈیوڑھی ایک دلہن کی طرح سجائی گئی ہے ڈیوڑھی کے بڑے دالان میں یہاں سے وہاں تک زربفت کا جگمگاتا ہوا فرش بچھایا گیا ہے دالان کے بیچوں بیچ ہاتھی دانت کا ایک مرصع تخت رکھا ہے اور ہم ہیں کہ ٹھاٹھ سے تخت پر جلوہ افروز ہیں دونوں بازوؤں پر دو حور شمائل لڑکیاں کھڑی پنکھا جھل رہی ہیں سامنے کے دروازے سے کوئی مہ لقا ہے کہ چہرے پر ریشمی نقاب ڈالے خراماں خراماں چلی آرہی ہے۔ بس یوں سمجھ لو کہ مرحومہ آئی تھیں۔

ڈاکٹر : واللہ۔

بلبل : خیر چھوڑو ان باتوں کو۔ اب کیا ہے۔ بارش میں بھیگتے، گرمی میں جھلستے ایک جھونپڑی میں پڑے ہیں۔ ہائے ؎

یہ جانتا اگر تو لٹاتا نہ گھر کو میں

زاہد : عیش و آرام کی جس زندگی کو آپ یاد کر رہے ہیں مولانا وہ زندگی آپ کی کوششوں کا نتیجہ نہیں تھی۔ وہ ایک بھیک تھی ایک خیرات تھی جو آپ کے آباؤ اجداد کی دلیری اور جانبازی کے طفیل میں آپ کو ملی تھی۔ آپ کے آباؤ اجداد نے اپنی زندگی گھوڑوں کی ننگی پیٹھ پر گذار دی تھی اور آپ کو اطلس و کمخواب کی سیج پر سونے کا موقعہ دیا تھا۔ آج آپ اُس بھیک کی زندگی کو یاد کرکے اس قدر

رنجیدہ کیوں ہیں۔ ہمت ہے تو اب اپنی زندگی بتلائیے۔

بلبل : لاحول ولا قوۃ ! اماں تم سے کون بات کر رہا ہے جی۔ میں تو ڈاکٹر میاں سے کہہ رہا ہوں۔ ڈاکٹر میاں! کیا چائے بنا رہے ہو بھیا۔

ڈاکٹر : جی ہاں! اسٹوو درست کر رہا ہوں۔

زاہد : اماں اسٹوو کیا درست کر رہے ہو ڈاکٹر۔ مولنٰا کی قسمت ہی بنادی ہوتی!

ڈاکٹر : ڈانٹتے ہوئے زاہد! یہ کیا طریقہ ہے؟

زاہد : اپنا کام تو شیو کرنا ہے بھیا!

ڈاکٹر : یہ بھلا شیو کرنے کا کون سا وقت ہے؟

زاہد : کسی فلسفی کا قول ہے کہ جب اور کوئی کام نہ ہو تو ڈاڑھی ہی بنالیا کرو!

بلبل : کسی فلسفی کا نہیں بلکہ یہ قول کسی حجام کا معلوم ہوتا ہے اور حُسنِ اتفاق سے وہ فلسفی تم ہی ہو۔

زاہد : ہاں چچا! کچھ ایسا انقلاب آیا ہے کہ آج حجام فلسفی اور فلسفی حجام بن گئے ہیں۔ جب طغیانی آتی ہے تو کیچڑ اوپر آجاتا ہے اور شفاف پانی شرم سے تہہ میں منُھ چھپالیتا ہے۔

بلبل : اماں لاحول ولا قوۃ! کبھی تو کوئی ڈھنگ کی بات کیا کرو۔ توبہ استغفراللہ۔ ہاں ڈاکٹر میاں کیا کہہ رہے تھے تم؟

ڈاکٹر : میں یہ پوچھ رہا تھا چچا کہ اتنی سی چوکی پر آپ کو نیند کیسے آگئی؟

زاہد : سونے والے تو ہر جگہ سوتے ہیں ڈاکٹر! کیا لال قلعہ اور کیا لالو کھیت۔

بلبل : اماں لعن طعن کے لیے میں اکیلا ہی مِلا ہوں تمہیں۔

زاہد : میں اور لوگوں تک ابھی پہونچ نہیں سکا مولانا!

بلبل : تو کیا میری ہی جان پر مُصیبت آئی ہے ؟

زاہد : زندگی خود ایک مُصیبت ہے مولٰنا جسے انسان اپنے ہاتھوں سے لعنت میں بدل دیتا ہے۔ آپ آرام کیجیئے!

ڈاکٹر : چھوڑیئے بھی چاچا! میں دراصل یہ پوچھ رہا تھا کہ اتنی سی چوکی پر آپ کو نیند کیسے آگئی۔

بلبل : نیند کا کیا ہے ڈاکٹر میاں! نیند تو پھانسی کے تختے پر بھی آجاتی ہے دِن بھر کام کی تلاش میں پھرتے پھرتے طبیعت اتنی تھک گئی تھی کہ چوکی پہ بیٹھتے ہی نیند آگئی۔

ڈاکٹر : کام کی تلاش ؟ اب اس عمر میں بھی آپ کوئی کام کریں گے ؟

زاہد : کام کی کوئی عمر نہیں ہوتی ڈاکٹر! کام لازوال ہے۔

(بلبل پہلے زاہد کی طرف پھر ڈاکٹر کی طرف دیکھتا ہے۔ ڈاکٹر اشاروں سے کہتا ہے کہ اس کا دماغ چلا ہوا ہے اور بلبل کو اشارہ کرتا ہے کہ اِسے یونہی بک لینے دو۔)

بلبل : بھئی جب تک ہندوستان میں تھے نام کرتے رہے۔ اب پاکستان آئے ہیں تو کام کرنا ہی پڑے گا۔ کام کے بغیر گذارہ کیسے ہوگا ڈاکٹر میاں ؟

ڈاکٹر : آپ کام کِس قسم کا کریں گے چچا ؟

بلبل : یہی چار پانچ درخواستیں لکھ لی ہیں۔ دو چار بڑے بڑے مکانوں پر نظر ہے انشاءاللہ چار مکانوں میں سے ایک آدھ تو الاٹ ہو ہی جائے گا۔ پھر کیا ہے زندگی گذر ہی جائے گی۔

زاہد : اُس آخری مکان کی سوچیے مولانا جہاں آپ کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے سونا ہے۔ ایک ساتھ دو چار مکانات لے کر کیا کریں گے آپ۔

ڈاکٹر : غصے سے چیختا ہے زاہد!

زاہد : (چونک پڑتا ہے جس سے اس کے گال پر ریزر سے چرکہ لگ جاتا ہے) اُف! ظالم! کیا ڈرایا ہے تو نے۔ یہاں تو اچھا خاصا چرکہ لگ گیا (گال پر ہاتھ پھیر کر ہاتھ پر لگا ہوا خون دیکھتا ہے) یہ بھی کوئی بولنے کا انداز ہے۔ دیکھو کیسا خون نکل رہا ہے۔ کاش یہ خون قوم کے کام آتا۔

بلبل : قوم کو تمہارے اس گندے خون کی ضرورت نہیں ہے جی۔

زاہد : اوہ! گندگی! گندگی سے ڈرتے ہیں آپ؟ لیکن خون بہنے کے بعد، آدمی مرنے کے بعد، ملک آزاد ہونے کے بعد گندہ تو ہو ہی جاتا ہے مولانا۔

ڈاکٹر : کم از کم ہم مسلمانوں کا تو یہ عقیدہ نہیں ہے۔

زاہد : مسلمان! آج مسلمان تو لاکھوں نظر آتے ہیں مگر اسلام کہیں نظر نہیں آتا۔ خود مسلمانوں نے اپنے قرآن والے اسلام کو بڑے ادب، بڑے احترام سے، چوم کر آنکھوں سے لگا کر سب سے بڑے سب سے اونچے طاق میں رکھ دیا ہے۔ آج جہالت کا نام مُلّا ازم ہے۔ قرآن بطور تعویذ استعمال ہوتا ہے اور نام نہاد علماء کے فتوے چار چار روپے میں ملتے ہیں ان حالات میں ہمارا کام تو شیو کرنا ہے بھیا!

بلبل : اماں تم کیمونسٹ تو نہیں ہو گئے جی؟

زاہد : کیمونسٹ! کون کیمونسٹ! کون مسلمان، کون ہندو، انسان ہمیشہ سے اپارچونسٹ رہا ہے، موقعہ پرست، ابن الوقت رہا ہے۔ اُس نے ہر کام اپنے ہی فائدے کے لیے کیا ہے اور مفت میں مذہب

کو عقیدوں کو بدنام کرتا رہا ہے۔ اُس نے اپنے فائدے کے لیے بت پرستی بھی کی ہے، بت شکنی بھی کی ہے، ہندو بھی رہا ہے، عیسائی بھی رہا ہے۔ مسلمان بھی رہا ہے، اُسی کے ہاتھوں نے بادشاہتوں کو اُبھارا ہے، جمہوریت کے گھیل بھی کھلائے ہیں، کمیونزم کے راستے بھی ہموار کیے ہیں۔ اُس نے جو کچھ بھی کیا ہے اُس کے پیچھے خود غرضی ہے، بدنیتی ہے۔ نیک نیتی کا دور سوں پتہ نہیں۔ اسی موقعہ پرستی سے انسان کی تاریخ بھری پڑی ہے خیر بھائی ہم تو چلے۔ نہ معلوم (چلا جاتا ہے)۔

بلبل : عجیب آدمی ہے۔ اماں اسے دفان کیوں نہیں کرتے ؟

ڈاکٹر : ابھی آپ اس سے واقف نہیں ہیں چچا ! بڑا راست باز اور محنتی آدمی ہے۔

بلبل : اماں ہٹاؤ بھی ! بہت دیکھا ہے ایسے راستبازوں کو۔

ڈاکٹر : جی تو کیا مکانات الاٹ کرانے کا خیال ہے چچا ؟

بلبل : اور کیا ! اماں سُنا ہے کہ دھڑا دھڑ سارے مہاجرین کو مفت کے مکانات الاٹ ہو رہے ہیں۔ الاٹ کے دفتر پر ہر وقت ہزاروں مہاجرین جمع رہتے ہیں اور جس کا جو جی چاہتا ہے حکومت سے لے کر حاصل کر لیتا ہے۔ پھر میں کیوں خاموش رہوں۔

ڈاکٹر : آپ کو غلط فہمی ہو رہی ہے قبلہ !

بلبل : غلط فہمی ؟ اماں تم بھی عجب منحوس ہو ! کیا تم مجھے مہاجر نہیں سمجھتے ؟

ڈاکٹر : آپ مہاجر تو ہیں۔ لیکن اب مکانات کہاں ہیں ؟

بلبل : مکانات کہاں ہیں ! یہ سارا شہر کا شہر پڑا ہے۔ یہ آخر کس مرض کی دوا ہے۔

ڈاکٹر : کیا آپ سمجھتے ہیں کہ شہر کا شہر خالی پڑا ہے۔

بلبل : اور کیا؟

ڈاکٹر : تقریباً ایک کروڑ آدمی پاکستان آئے ہیں چچا! کس کس کو مکان مل سکتا ہے؟

بلبل : اماں تم تو ابھی بچے ہو! تمہیں کیا معلوم کہ کام کرنے کا طریقہ کیا ہوتا ہے۔ میاں صاحبزادے ابھی سے کچھ قصاید تیار کر لیے ہیں اور قصاید بھی ایسے کہ جس حاکم کا نام چاہا چپکا دیا۔ بس پھر کیا ہے اِدھر قصیدہ پڑھا اُدھر مکان مِل گیا۔

ڈاکٹر : یہ جمہوری معاملات ہے چچا چچا! یہاں کوئی بادشاہ اور شہزادے نہیں ہیں جو آپ قصائد سے اپنے کام نکالیں۔

بلبل : اماں کیوں کفر کرتے ہو! خدا کی ذات سے مایوس کیوں کراتے ہو دعا کرو تمہیں بھی دواخانے کے لیے ایک آدھ کمرہ دے دیں گے۔

ڈاکٹر : جی فی الوقت تو چائے بنانے کا ارادہ ہے۔ جب پیسے آجائیں گے تو دواخانہ کھول لوں گا۔ ورنہ کسی جگہ ملازمت کر لوں گا۔

بلبل : لاحول ولاقوۃ! کیا یہی دو کوڑی کی نوکری کرنے کو ولایت گئے تھے؛

ڈاکٹر : ولایت تو میں تعلیم حاصل کرنے گیا تھا۔

بلبل : تو کیا تم نے تعلیم حاصل نہیں کی؟

ڈاکٹر : کیوں نہیں کی۔

بلبل : پھر دواخانہ کھولتے ہوئے کیوں ڈرتے ہو۔ سُنا ہے یہاں تو بہت سے ایسے لوگ ہیں جنہیں مرض تو کیا دواؤں کے نام بھی نہیں معلوم لیکن بہت بڑے حکیم اور ڈاکٹر بنے ہوتے ہیں۔

ڈاکٹر : یہ ہماری قوم کی بدنصیبی ہے چچا! کم از کم میں تو ایسا نہیں کر سکتا۔

ببل : یعنی دواخانہ نہیں کھولو گے؟

ڈاکٹر : جب پیسوں کا انتظام ہو جائے گا کھول لونگا۔

ببل : اماں پاکستان میں پیسوں کی کیا ضرورت ہے۔ اپنی اسلامی مملکت ہے۔ سیدھے گورنمنٹ کے پاس جاؤ اور کہو میں ڈاکٹر ہوں اور مجھے دواخانے کی ضرورت ہے۔ بس کام بن جائے گا۔

ڈاکٹر : جی!

ببل : اب رہا تھوڑا بہت پیسہ تو۔۔۔۔ خیر۔۔۔ اچھا یاد آیا (اُٹھ کر چوکی کے نیچے سے ایک ڈبہ نکالتا ہے کھول کر دیکھتا ہے کہ زیور غائب ہیں۔ پھر پریشانی کے عالم میں) ڈاکٹر میاں!

ڈاکٹر : جی! (ببل کی طرف بیٹھ ہے)

ببل : یہ کیا؟

ڈاکٹر : چائے تیار کر رہا ہوں!

ببل : قسم اللہ پاک کی مذاق کی بھی ایک حد ہوتی ہے۔

ڈاکٹر : مذاق نہیں ببل چاچا! میں واقعی آپ کو چائے پلانا چاہتا ہوں۔

ببل : زہر نہیں پلائیں گے آپ؟

ڈاکٹر : جی! (ببل کی طرف دیکھ کر)

ببل : آہا ہا ہا! کس قدر معصوم بن رہے ہیں آپ! جیسے کچھ جانتے ہی نہیں یہاں ببل پر قیامت ٹوٹ پڑی ہے اور آپ ہیں کہ چائے پلانے آئے ہیں۔

ڈاکٹر : جی کیا فرمایا آپ نے،

بلبل : جی کیا! ڈبہ دیکھتے ہو؟
ڈاکٹر : ڈبہ!
بلبل : گویا اب بھی نہیں سمجھے آپ۔ میاں صاحبزادے یہ ... یوں ... بالیاں
ہمارے ساتھ نہیں چلیں گی۔
ڈاکٹر : آخر آپ کہنا کیا چاہتے بلبل چاچا!
بلبل : کیا کہنا چاہتے ہیں۔ دیکھتے دیکھتے سارا زیور غائب کر دیا۔ بھلا
یہ بھی کوئی مذاق ہے۔
ڈاکٹر : زیور! کون سا زیور؟
بلبل : یہ لو اب تو آپ زیور سے بھی انکار کرنے لگے۔ تھوڑی دیر بعد کہہ
گے مرحومہ نے زیور ہی کون سے چھوڑے تھے۔ لعنت ہو تم لوگوں پر۔
ڈاکٹر : میں نے کوئی زیور ویور نہیں دیکھے بلبل چاچا۔
بلبل : نہیں دیکھے تو کیا زمین لے گئی! آسمان نگل گیا؟ آخر ہوئے کیا زیورات؟
ایک ہم ہیں کہ تمھارے دواخانے کے قیام کی کوشش کر رہے ہیں اور ایک
تم ہو کہ ہمیں پریشان کرتا چاہتے ہو۔
ڈاکٹر : میں کچھ نہیں جانتا چاچا!
بلبل : دیکھو میاں صاحبزادے۔ میں اس قسم کا مذاق برداشت نہیں کر سکتا۔
میں کہے دے رہا ہوں کہ وہ مرحومہ کی نشانی تھی۔ میں اُن کے بغیر زندہ نہیں
رہ سکتا۔ تمھیں کسی نہ کسی طرح وہ زیور فراہم کرنے ہی پڑیں گے۔
ڈاکٹر : میں آپ کو کیسے یقین دلاؤں کہ میں نے وہ زیور نہیں دیکھے۔
بلبل : سچ کہہ رہے ہو۔
ڈاکٹر : آپ میری بات کا یقین کیوں نہیں کرتے؟

بلبل : تم نوجوانوں کی بات کا یقین کر کے تو اِس نوبت تک پہنچے ہیں۔
اب کس بات کا یقین کریں بھتیا!

ڈاکٹر : آپ نے چھوٹے نواب سے بھی پوچھ لیا ہے؟

بلبل : کیا زیور چھوٹے نواب نے لیے ہیں؟

ڈاکٹر : نہیں نہیں۔ میرے کہنے کا مقصد یہ ہے کہ آپ چھوٹے نواب سے بھی تو پوچھ لیتے

بلبل : لیکن ایک چھوٹے نواب ہی کیا۔ میں تو ایک ایک کی ایسی خبر لوں گا کہ چھٹی کا دودھ یاد آجائے گا۔ بلبل آج مہاجر ہوا تو کیا؟ آج بھی اُس کے اِتنے ہی اثرات ہیں۔ ایک ایک کو توپ کے منھ سے بندھوا دوں گا۔

(زاہد کندھے پر تولیہ ڈالے آتا ہے۔)

زاہد : کیا بات ہے چاچا! آپ کچھ پریشان معلوم ہوتے ہیں؟

بلبل : مذاق مت کرو جی! میرے زیورات لوٹا دو!

زاہد : زیور؟

بلبل : زیور! زیور! آخر کتنی بار دُہراؤں۔

زاہد : چاچا! آپ بھی خوب مذاق کرتے ہیں۔

ڈاکٹر : بھئی چاچا کہہ رہے ہیں کہ اُن کے زیورات کسی نے غائب کر دیے ہیں۔

زاہد : غائب کر دیے ہیں؟ آخر کس نے؟

بلبل : یعنی اب یہ بھی بتاؤں کہ کس نے غائب کیے ہیں؟

زاہد : کیا آپ یہ زیور ہندوستان سے لائے تھے چاچا؟

بلبل : جی نہیں! یہاں پاکستان آ کر جوہری کی دوکان سے چوری کیے تھے! ارے کیوں مذاق کرتے ہو کمبخت!

ڈاکٹر : آپ چھوٹے نواب سے تو پوچھ لیجیے۔

بلبل : اب اسی کمبخت سے پوچھنے جا رہا ہوں۔ اگر وہ زیورات نہ ملے تو ایک ایک کو توپ کے منھ بندھوا دوں گا۔

(جاتا ہے)

زاہد : یہ کیا مذاق ہے ڈاکٹر۔

ڈاکٹر : بھئی میں خود بھی حیران ہوں۔ لیکن بلبل چاچا غلط تو نہیں کہہ سکتے زیور ضرور غائب ہوئے ہیں۔ جب ہی تو اتنے پریشان نظر آتے ہیں۔ لیکن کس نے غائب کیے ہیں یہ کیسے بتایا جا سکتا ہے!

زاہد : کس نے غائب کیے ہیں؟

ڈاکٹر : لے دے کے ہم تین آدمی ہی تو ہیں۔ انھی میں سے کسی نے غائب کیے ہوں گے۔

زاہد : تین آدمی ہی کیوں؟ یہ جھونپڑی کون سی محفوظ ہے۔ نہ معلوم اور کتنی چیزیں چلی گئی ہوں گی!

ڈاکٹر : اور چیزیں؟

زاہد : میرا خیال ہے ان پھٹی ہوئی جھونپڑیوں سے اگر کچھ نہیں تو کم از کم اخلاق، آبرو، مروت اور تہذیب تو چلی ہی گئی۔

ڈاکٹر : اماں کبھی تو سنجیدہ رہا کرو۔ کبھی کبھی تو ایسے فلسفی بن جاتے ہو کہ لوگ تمھیں دیوانہ کہنے پر مجبور ہو جاتے ہیں اور کبھی اس قدر بدتمیزی پر اتر آتے ہو کہ اچھے خاصے مسخرے کردار۔ بھانڈ معلوم ہوتے ہو۔

زاہد : بھانڈ! کوئی بات نہیں۔ ہم تو دیوانے ہیں۔ مسخرے بھی ہیں۔ بھانڈ بھی ہیں۔

ے شمع ہر رنگ میں جلتی ہے سحر ہونے تک

(چھوٹے نواب کو ملے پر مٹکا رکھے گنگناتا ہوا آتا ہے)

نواب : میں پنیا بھرن کر آؤں سکھی ری۔

زاہد : ائے ہے ری پنہاری۔ تیرے قربان جاؤں۔

نواب : اللہ کرے تیری آنکھیں ساپٹم ہو جائیں گھر میں ماں بہنیں نہیں ہیں۔

زاہد : ماں بہن تو ابھی ہندوستان ہی میں ہیں میری پنہاری۔

نواب : ماں بہن کو ہندوستان میں چھوڑ کر بھاگ آتے ہوئے شرم نہیں آئی کلموہے۔

زاہد : شرم تو بہت آئی تھی لیکن پاسپورٹ جو سرکار کے ہاتھ میں ہے۔

ڈاکٹر : اماں کیا مذاق کرتے ہو چھوٹے نواب۔ اِدھر کیتلی میں پانی ڈالو۔

نواب : (خالی مٹکا کیتلی پر اوندھا کرتے ہوئے) خفا کیوں ہوتے ہو جی!

ڈاکٹر : ارے! پانی کہاں ہے؟

نواب : میری آنکھوں میں! نین جل برساؤں پیا۔

ڈاکٹر : پھر وہی بے ہودہ مذاق!

نواب : یعنی ہم پانی نہ لائیں تو بے ہودہ مذاق اور وہاں پانی ہی نہ ملے تو!

ڈاکٹر : کیوں؟ پانی نہیں مل رہا ہے کیا؟

نواب : اماں وہاں نلکے پر ایک فرلانگ لمبا کیو لگا ہے۔ پانی ایسے تقسیم ہو رہا ہے جیسے جامِ شہادت تقسیم ہو رہا ہو۔ افوہ! دو گھنٹے کھڑے کھڑے اپنے تو پاؤں شل ہو گئے (گھڑا زمین پر اوندھا رکھ کر اُس پر بیٹھ جاتا ہے) دو گھنٹے کے انتظار کے بعد جب نلکے کے قریب پہنچے تو پانی غائب۔ افوہ! مجھے تو چکر آ رہا ہے۔ دھوپ

بھی ایسی سخت تھی کہ اللہ کی پناہ!

ڈاکٹر : کیا دو گھنٹے سے کھڑے تھے تم ؟

نواب : پورے دو گھنٹے سے بھیا! مجھے تو کچھ بخار سا محسوس ہو رہا ہے۔

ڈاکٹر : بخار ؟

نواب : ہاں! کچھ بے چینی سی محسوس ہو رہی ہے۔

ڈاکٹر : بے چینی ؟

نواب : ہاں طبیعت بڑی بے قرار ہو رہی ہے۔

ڈاکٹر : کیا کہا ؟

نواب : ہاں! اُف۔ آہ۔ میرا دل۔ بڑی پیاس لگ رہی ہے۔

ڈاکٹر : اماں مذاق کرتے ہو یا واقعی کوئی تکلیف ہے۔

نواب : دِل میں بڑا سخت درد ہو رہا ہے ڈاکٹر! ذرا اپنا ہاتھ تو دینا! ہاں۔ یہاں۔ یہاں

ڈاکٹر : یہاں کیا تکلیف معلوم ہوتی ہے ؟

نواب : ہاں! یہیں یہیں! ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے کوئی تیر میرے دِل میں پیوست ہو گیا ہے۔ بڑا درد ہو رہا ہے بھیّا۔

زاہد : تیر لگا ہے! درد ہو رہا ہے! کیا کہہ رہے ہو تم ؟

نواب : ہاں! وہ کسی نرگسی آنکھوں سے نکلا ہوا تیر!

ڈاکٹر : (ہاتھ ہٹاتے ہوئے) ہوں!

نواب : وہ زلفوں کے کالے کالے بادل، وہ آنکھوں کی چمک، وہ نگاہوں کی بجلیاں، وہ الفاظ کی بارش، ڈاکٹر میاں ذرا چھتری تو دینا۔ بڑی طوفانی بارش ہو رہی ہے۔ اوہو ہو ہو! کیا کڑک ہے اور کیا

گرج ہے (لڑکی کی آواز میں) آ رے کلمو ہے خدا تجھے غارت کرے، تیری آنکھیں پٹم ہو جائیں۔ جوتی پھینک کے مارونگی۔ ارے رے رے! بڑے زور کا جھکڑ آرہا ہے۔ ڈاکٹر میاں اب میں نہیں بچ سکتا!

زاہد : فکر نہ کرو دوست! یہ سب موت کے آثار ہیں۔ دیوانے کتے کو بھی کہیں بارش راس آئی ہے۔

ڈاکٹر : کیا بے ہودہ مذاق کر رہے ہو چھوٹے نواب!

نواب : اماں مذاق نہیں ڈاکٹر! قسم اللہ کی آج پانی بھرنے کے لیے ایک بجلی آئی تھی۔ ہائے ہائے خدا کرے ورنہ پانی کی قلت ہو اور وہ روزانہ اپنی گوری گوری باتھ میں گھڑا لیے۔ ہائے ہائے! بنانے والے گھڑا مجھ کو بنایا ہوتا!

ڈاکٹر : پینے کے لیے پانی نہیں، رہنے کے لیے مکان نہیں، جیب میں پیسہ نہیں اس کے باوجود عاشقی کی گنجائش نکال لیتے ہیں آپ!

نواب : اماں گئے تو تھے پانی بھرنے! پر منھ میں پانی بھر آئے تو کیا کریں؟

زاہد : دوسروں کی بہو بیٹیوں پر نظر ڈالتے ہوئے تمھیں شرم نہیں آتی۔ نہ جان نہ پہچان چلے عاشقی کرنے۔

ڈاکٹر : اچھا تو گویا آپ بھی جان پہچان کے کھوج میں ہیں۔

نواب : اماں جان پہچان کیا وہ بھی ہماری طرح مہاجر ہے۔ مہاجر

ڈاکٹر : اچھا تو گویا آپ مہاجر بھی ہیں۔ مہاجر کے معنی جانتے ہیں آپ!

نواب : بالکل! بالکل لٹے ہوئے۔ نہ تن اپنا نہ من اپنا۔ بالکل تباہ حال۔ مہاجر اسے۔ بنانے والے گھڑا مجھ کو بنایا ہوتا۔

ڈاکٹر : ایسی باتیں کہتے ہوئے تمھیں شرم نہیں آتی؟ تم جیسے غنڈوں اور اوباشوں کو کوئی سوسائٹی قبول کر سکتی ہے۔ تم اپنے آپ کو مسلمان بھی کہتے ہو ہیرالبس

چلے تو سب کو ایک قطار میں کھڑا کر کے گولی مار دوں!

زاہد: کتنوں کو گولی مارو گے ڈاکٹر! کہیں ساری دُنیا ہی کو گولی نہ مارنی پڑے۔

نواب: اماں یہ کیا گولی ماریگا۔ اس کے پاس بندوق تو کیا لائسنس بھی نہیں ہے۔ چھوڑو چھوڑو جاؤ منّے چائے بناؤ۔

ڈاکٹر: لیکن تمہارے رنگ بتا رہے ہیں نواب ایک روز تم ضرور گولی کھاؤ گے۔

نواب: اماں اب چائے تو پلا دے۔ پھر کبھی گولی مار دینا۔

ڈاکٹر: چائے پلاؤں؟ میں کوئی تمہارا غلام ہوں!

نواب: اماں تم تو پکے آزاد ہو جیا! تمہیں کون غلام کہہ سکتا ہے۔ یہ سافٹ کلاس سوٹ ہے! دیکھی فرسٹ کلاس ٹائی ہے۔ جاؤ میاں آزاد اپنے اسی نیشنل ڈریس کے ساتھ چائے بناؤ۔

ڈاکٹر: میں کوئی تمہارا نوکر نہیں ہوں!

زاہد: اماں چائے کیا بنا رہے ہو جیسے مارشل پلان بنا رہے ہو۔ دُنیا پر احسان جتانا چاہتے ہو۔ کمینے کہیں کے۔

نواب: کمینے کہیں کے۔

ڈاکٹر: اگر اس طرح تنگ کرو گے تو میں تمہارا ساتھ چھوڑ کر چلا جاؤں گا۔

زاہد: اوہ تو تم کامن ویلتھ ہی سے نکل جانا چاہتے ہو۔

نواب: پچھتاؤ گے ڈاکٹر۔ کامن ویلتھ کے ایسے اچھے ساتھی تمہیں کہیں نہ مل سکینگے

ڈاکٹر: مجھے تمہاری کامن ویلتھ کی پروا نہیں۔ میں اسکے بغیر بھی زندہ رہ سکتا ہوں۔

زاہد: زندہ تو رہوگے لیکن ان دونوں میں سے کسی ایک بلاک کا ساتھ دینا ہوگا۔

(دور سے بلبل چاچا کی آواز آتی ہے)

بلبل: اماں چھوٹے نواب! کہاں ہو تم؟

ڈاکٹر : اب پول کھلے گا تمہاری کامن ولیتھ کا ۔

زاہد : کون ؟ بلبل چچا !

ڈاکٹر : ابھی سے گھبرا گئے ؟

نواب : کیوں کیا بات ہے ؟

ڈاکٹر : میں کیا کہہ سکتا ہوں !

نواب : کوئی خاص بات ہے کیا ؟

ڈاکٹر : چھوٹے نواب ! کم از کم تمہیں بلبل چچا کے ساتھ ایسا نہیں کرنا چاہیئے تھا ۔

نواب : نہیں کرنا چاہیئے تھا ؟ آخر کیا ؟

ڈاکٹر : وہ اُن کی بیوی کی نشانی تھی ۔

نواب : بیوی کی نشانی (گھبرا کر اپنے ہاتھ میں انگوٹھی دیکھتا اور جلدی ہاتھ پیچھے کر لیتا ہے ۔ ڈاکٹر اور زاہد اُس کی اِس حرکت کو دیکھ لیتے ہیں ۔)

بلبل : (اندر آتے ہوئے) واہ میاں صاحبزادے ! ایک ہم ہیں کہ تمہیں دُنیا بھر میں تلاش کرتے پھر رہے ہیں اور ایک تم ہو کہ ہماری پرواہی نہیں کرتے ۔

نواب : کیا بات ہے بلبل چچا !

بلبل : کیا بات ہے ؟ اگر کوئی اور ہوتا تو بتا بھی دیتا کہ بات کیا ہے ۔ ایک اچھے خاصے آدمی کو مذاق ہی مذاق میں لوٹ لیا ۔

نواب : لوٹ لیا ؟

بلبل : ہاں یہ کام تم سب لوگوں نے مِل کر کیا ہے ۔ تم سب ۔ اب میں کیا کہوں ۔

ڈاکٹر : چھوٹے نواب ! جواب کیوں نہیں دیتے ؟

نواب : جواب ؟ میں کیا جواب دوں ؟ بلبل چچا کے ساتھ میں کوئی اکیلا تو نہیں رہتا ۔

ڈاکٹر : تو کیا تمہارا خیال ہے کہ ....

ببل : یہ بات تو میں بہت پہلے تاڑ چکا ہوں کہ یہ کارگزاری کس کی ہے۔

زاہد : کس کی ہے ؟

ببل : تم چپ رہو جی۔ میں تمہیں ایک منٹ کے لیے بھی برداشت نہیں کر سکتا۔ میں شروع ہی سے اس بات پر زور دے رہا تھا کہ تمہیں ساتھ نہ رکھا جائے۔ تمہارے قول و فعل کا اعتبار ہی کیا ہے۔ مجنون آدمی ہو مجنون۔ بہرحال میں تم لوگوں کو صرف ایک دن کا موقعہ دیتا ہوں۔ اِس دوران میں میرا زیور واپس ہو جانا چاہیئے ورنہ مجبوراً مجھے پولیس میں درخواست دینی ہو گی (چلا جاتا ہے)

زاہد : بھئی ہم تو مجنون ہیں نہ جانے کس وقت کیا کر گذریں۔ بہتر یہی ہے کہ ہم یہاں سے چلیں۔

ڈاکٹر : زاہد یہ کیا کہہ رہے ہو تم ؟

زاہد : ٹھیک ہی تو کہہ رہا ہوں بھیا! کسی کا قول ہے کہ جب افلاس دروازے سے آتا ہے تو محبت کھڑکی سے چھلانگ لگا کر بھاگ جاتی ہے۔

ڈاکٹر : چھوٹے نواب! تم بھی تو کچھ بتاؤ!

نواب : بھئی تو میں سوچ رہا ہوں کہ یہ دیکھتے ہی دیکھتے کیا ہو گیا!

زاہد : یہ کوئی نئی بات نہیں ہے ڈاکٹر! غربت اور پریشانیوں نے ہمیں اتنا نیچے گرا دیا ہے کہ آج ہم ایک دوسرے کی نیتوں پر بھی شبہ کرنے لگے ہیں۔ تم مجھ پر شبہ کرتے ہو میں تم پر شبہ کرتا ہوں۔ آج ہر طرف شبہات ہی شبہات ہیں۔ دوست کو دوست پر۔ قوم کو جماعت پر، جماعت کو لیڈر پر۔ کسی کو

کسی پر بھروسہ نہیں۔ بلکہ مجھ مجنوں کا تو یہ خیال ہے کہ اب دُنیا میں انسانیت نہیں انسانیت کا شبہ باقی رہ گیا ہے۔

(پردہ گرتا ہے)

ساتواں منظر

ایک سڑک کا منظر۔ دن کا وقت ہے۔ سڑک کے کنارے چھوٹی
سی دری بچھائے اور سامنے لکڑی کا ایک چھوٹا ڈیکس رکھے منشی جی
بیٹھے ہیں۔ کرتا، پاجامہ اور واسکٹ پہنے ہوئے سر پر سیاہ دوپلی
ٹوپی۔ چشمہ لگائے۔ کان میں ایک قلم۔ ایک طرف سے شربت
والا آتا ہے۔ قمیص پاجامے میں ملبوس، پیروں میں چپل کندھے سے
شربت کی صراحی لٹکائے ہاتھ میں تار کا بنا ہوا گلاس دان جس
میں گلاس رکھے ہیں۔]

شربت والا : (آواز لگاتا ہے)

لے پی لے پی لے سجنا۔ ایک آنہ گلا۔ ایک آنہ گلاس
اے ستانیوں کے پینے والے۔ ایک آنہ گلا ایک آنہ گلاس
لے پی لے پی لے جاناں۔ ایک آنہ گلا۔ ایک آنہ گلاس
لالوکھیت کا امرت۔ ایک آنہ گلا۔ ایک آنہ گلاس

منشی جی : (شربت والے کو مخاطب کر کے) اجی میں نے کہا تسلیمات عرض کرتا ہوں۔ یہ لالوکھیت کا امرت ذرا ہمیں بھی تو چکھادو پیاس سے دم نکلا جارہا ہے۔

شربت والا : یہ روز روز کی پیاس تو سیٹھ موتن داس بھی نہیں بجھا سکتا منشی جی! میں تو غریب آدمی ہوں۔

منشی جی : اماں بھیا! کل ترپن گلاس ہی تو ہوئے ہیں ایک آنہ گلاس کے حساب سے سمجھو کوئی اپنا کمیشن کاٹ کر کل سوا دو روپیہ ہوتے ہیں۔

شربت والا : سوا دو روپیہ کا ادھار بھی کوئی معمولی بات ہے منشی جی! ایسا ہی ادھار چلتا رہا تو بال بچے کیا کھائیں گے؟

منشی جی : اماں اللہ رزاق ہے بھیا! کسی روز ایک آدھ درخواست مفت لکھوالو۔

شربت والا : درخواست پھر کسی روز لکھوائیں گے۔ لیکن میں کہتا ہوں جیب
میں پیسے ہوں تو دے ہی دو منشی جی!

منشی جی : پیسے کس کے پاس ہیں بھیا! جیب میں کچھ پتھر ہی پڑے ہیں۔ یہ
دیکھو تمہارے سامنے نکال نکال کر کاغذوں پر رکھ رہا ہوں (جیب
سے پتھر نکال کر ڈیسک پر رکھے ہوئے کاغذوں پر جماتا ہے) کہو تو
ایک آدھ تمہیں بھی دیدوں۔

شربت والا : ایسے نہیں۔ ذرا اسے پھینک کر میری قسمت پر مارئیے۔ یہاں
ساری قسمت میں پتھر ہی پتھر لکھے ہیں دن بھر محنت کرتے ہیں۔ رات کو پتھر
کے فٹ پاتھ پر پتھر ہی سرہانے لیکر سو جاتے ہیں۔ خیر منشی جی جہاں
ترپن گلاس وہاں چوّن گلاس ہی سہی۔ ہمارا آپ کا لین دین تو
پتھر وں سے ہی ہوتا ہے۔

(شربت بھر کر گلاس منشی کو دیتا ہے)

منشی جی : (گلاس ہاتھ میں لیتے ہوئے) اماں غریب آدمی ایک دوسرے پر پتھر
نہیں تو پھول پھینکیں گے (شربت پیتا ہے) آہاہاہا! کیا پیارا شربت بنا
ہے! شربت کیا ہے آبِ حیات ہے۔ آبِ حیات۔ نہ ہوا کوئی سکندر ورنہ
تخت و تاج چھوڑ کر اسی آبِ حیات کے پیچھے پڑ جاتا۔

شربت والا : کون جانے منشی جی! پچھلے جنم میں ہم سکندر ہی رہے ہوں
اور آج زمانے نے ہمیں شربت بیچنے پر مجبور کر دیا ہو! کیوں ہے کہ
نیں منشی جی؟

منشی جی : اماں واللہ! واقعی لطف آگیا! بخدا سکندر کو بھی یہ چیز نصیب
نہ ہوئی ہو گی!

شربت والا : کیا بات ہے منشی جی! بڑی تعریفیں ہو رہی ہیں۔ کیا ایک آدھ گلاس اور دے دوں؟

منشی جی : تم تو غریب آدمی ہو بھیا! اس کے باوجود شربت پلاتے ہو اور وہ بھی مفت پلاتے ہو! جن کے پاس لاکھوں کی دولت ہے وہ ایک ایک مشک پانی بارہ، بارہ آنے میں فروخت کرتے ہیں۔ تم اُن سے تو اچھے ہو بھیا۔

شربت والا : کہاں اچھے ہیں منشی جی! صبح سے اب تک کل تین آنے کی بِکری ہوئی ہے اور چھ آنے کی بھوک لگی ہے۔ آپ ہی بتلایئے دوزخ کی آگ کو کون بجھاتے۔

(گجک والا آتا ہے۔ قمیص پاجامہ پہنے ہے۔ پیروں میں چپل ہیں۔ سر پر ایک کشتی جس میں گجک اور ترازو باٹ ہیں اور بغل میں مونڈھا)

گجک والا : (آواز لگاتا ہے)

بڑی ہی کلّے دار ہے، بڑی ہی چھلّے دار ہے، بڑی ہی مزیدار ہے۔
دیکھو نیاری ہے یہ، کیسی پیاری ہے یہ، ٹھنڈی ٹھنڈی ہے یہ۔
میٹھی میٹھی ہے یہ، ہونٹوں سے کھالو بھُر بھُری گجک، بڑی کراری ہو رہی ہے، بڑی خستہ ہو رہی ہے، بڑی بھُرا ہو رہی ہے، گجک کے کھانے والو، ہونٹوں سے کھالو، بھُر بھُری گجک، بھُر بھُری گجک۔

منشی جی : او ہو ہو! گجک کیا بیچ رہے ہیں آپ۔ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے زلزلہ آرہا ہے۔

شربت والا : لو ایک اور بیوپاری آ گئے! کہو بھائی کیا بھاؤ ہیں تمہارے۔

گجک ا : اجی ہمارے کاہے کے بھاؤ بھیا! ہم تو دو دمڑی کے آدمی ہیں، چلو
چار آنے چھٹانک ہی لے لو، سیر بھر تول دوں منشی جی!

منشی جی ! سیر بھر؟ کوئی بات نہیں! تول دو! فوراً تول دو!

گجک والا : لیکن آج پیسے نقد ہی لوں گا منشی جی!

منشی جی ! اماں اگر ہمارے پاس پیسے نقد ہوتے تو ہم گجک تو کیا ساری دُنیا
کھا جاتے۔ یہ نقد ہی کو تو کسر رہ گئی ہے۔

شربت والا : اماں لینا دینا اللہ کے ہاتھ، مول تول کاہے کا۔ لاؤ ایک آدھ سیر۔

گجک والا : چلو آج تمہاری ہی بوہنی سہی۔

شربت والا : اماں یہ بوہنی بوہنی کی کیا رٹ لگا رکھی ہے۔ اگر ایسا ہی ہے تو
ایک گلاس شربت پی لو۔

گجک والا : یہ بھی کیا کہ ہے کہ مارنے سے پہلے شربت ہی پلا دیتے ہو۔ لے لو
(تول کر گجک منشی جی کو دیتا ہے)

منشی جی (گجک کھاتے ہوئے) آہاہاہا! کیا غضب کی گجک بنی ہے۔ ہیں
ہوں اللہ تعالیٰ نے لالو کھیت پر من و سلویٰ اُتارنے کی بجائے
گجک روانہ کی ہے۔ بھئی واللہ! لطف آگیا۔

شربت والا : اچھا منشی جی اب تو ہم چلے (آواز لگاتا چلا جاتا ہے) اے
پی لے، پی لے جاناں، ایک آنہ گلاس۔ ایک آنہ گلاس!

گجک والا : ارے ارے! میرے پیسوں کا کیا ہوگا؟

منشی جی : آہاہاہا! تم کہتے ہو میرے پیسوں کا کیا ہوگا؟ آج پاکستان
کو بنے ہوئے اتنے سال ہوگئے اور ہمیں آج تک اس کا پتہ نہ چلا
کہ ہمارا کیا ہوگا؟ پیسوں کی بھی خوب رہی!

(دوسری طرف سے بلبل چاچا آتے ہیں۔ وہی پھولدار شیروانی،
دوپلی، چوڑی دار پاجامے میں ملبوس، پیروں میں سلیم
شاہی جوتے اور ہاتھ میں چھڑی)

گجک والا : (بلبل کی طرف اشارہ کر کے منشی سے) اوہو! اوہو! آپ نہیں
جانتے ہیں منشی جی؟

منشی جی : یہ تو کوئی نیا شکرا دکھائی دیتا ہے۔

گجک والا : شکرا نہیں منشی جی۔ یہ تو بلبل ہے بلبل!

منشی جی : بلبل؟

گجک والا : (بلبل کی طرف مخاطب ہو کر) آداب عرض کرتا ہوں قبلہ!

بلبل : قبول کرتے ہیں۔

گجک والا : غالباً حضور نے مجھے نہیں پہچانا؟

بلبل : لالو کھیت میں کوئی کسی کو نہیں پہچانتا!

گجک والا : اوہو۔ بڑے دِنوں سے حضور کی تلاش میں تھا مگر حضور
کہیں نظر ہی نہ آئے!

بلبل : ہاں ہم نے نظر آنا چھوڑ دیا ہے۔

گجک والا : جی؟

بلبل : اماں راہ گیروں کو تنگ کرتے شرم نہیں آتی تمھیں؟

گجک والا : حضور! ادھر دیکھیے تو سہی!

بلبل : (اُس کی طرف دیکھتے ہوئے) کون؟ کون ہو تم؟

گجک والا : حضور! اب بھی آپ نے مجھے نہیں پہچانا؟

بلبل : اماں تم نہ جانے کس کھیت کی مولی ہو۔ یہاں تو پریشانی کا یہ عالم ہے

کہ والدِ مرحوم بھی راستے میں نظر آجائیں تو ہم ان سے کہہ دیں گے ہم آپ کو نہیں پہچانتے !

گجک والا : حضور ! میں چھوٹے نواب کا ساتھی ہوں !

بلبل : لعنت ہو تم پر اور تمہارے چھوٹے نواب پر۔ چار سو بیس کہیں کے !

گجک والا : جی ؟

بلبل : پھر وہی ! جی (پہچان کر) ارے تم ! اب میں سمجھا ! تم ہی بدمعاشوں نے میری انگوٹھی چھینی تھی نا !

گجک والا : انگوٹھی ؟

بلبل : ہاں ! ہاں ! اب میں نے سب کچھ سمجھ لیا ہے ! میرا زیور واپس کر دو !

گجک والا : زیور ؟

بلبل : ہاں ! ہاں ! زیور ! تم سب چور ہو، بدمعاش ہو، اچکے ہو، تم اور تمہارے ساتھیوں نے مل کر میری زندگی بھر کی کمائی لوٹ لی ہے !

گجک والا : حضور ! آپ تو اتہام لگاتے ہیں !

بلبل : اتہام ! ابھی تمہارا اتہام بتاتا ہوں ! ابھی پولیس میں درخواست دیتا ہوں۔ دماغ درست ہو جائیگا !

منشی جی : (بڑی آواز سے اور راگ کھینچکر) درخواست (ایک ہاتھ بلند کر کے گھٹنوں کے بل کھڑا ہو جاتا ہے) اوہو ! حضور کے منہ میں گھی شکر !

بلبل : کیا کہا ؟ گھی شکر ؟

منشی جی : اور کیا ! کتنے دنوں بعد درخواست کا لفظ سننے میں آیا ہے ! حضور !

بلبل : لاحول ولا قوۃ ! اماں تم تو اچھے خاصے پیرِ تسمہ پا معلوم ہوتے

ہو! جان نہ پہچان۔ بس جھپٹ گئے!

منشی جی : پیر تسمہ پا نہیں حضور! میں تو درخواست لکھنے والا ہوں۔ آپ کی بھی درخواست لکھ دوں؟

بلبل : تو کیا ہم جاہل ہیں! ہم نہیں لکھ سکتے درخواست؟

منشی جی : آپ ہی لکھ لیجیے حضور! قلم کاغذ تیار ہے۔

بلبل : (قریب آتے ہوئے) ہاں۔ ہاں! ہم ہی لکھیں گے!

منشی جی : لیکن آپ کو درخواست کس کے نام لکھنی ہے حضور؟

بلبل : یہی پولیس کے نام!

منشی جی : پولیس کے نام؟

بلبل : اماں بتاؤ بھی پولیس کو! چلو وزیر اعظم کے نام ہی لکھ دیں!

منشی جی : وزیر اعظم کے نام؟

بلبل : ہاں! اب ان چھوٹے لوگوں کو کون منھ لگائے۔

منشی جی : لیکن گستاخی معاف! کیا حضور انگریزی جانتے ہیں؟

بلبل : انگریزی؟

منشی جی : جی ہاں! یہاں درخواست تو انگریزی ہی میں لکھنی پڑتی ہے۔

بلبل : اماں کیوں حکومت کو بدنام کر رہے ہو! یہ پاکستان ہے منشی جی! اگر کوئی سی۔ آئی۔ ڈی کا آدمی سُن لیگا تو سیدھے پاگل خانے بھیج دے گا!

منشی جی : آپ کو غلط فہمی ہو رہی ہے حضور!

بلبل : یعنی تمہارا خیال ہے تم پاگل نہیں ہو؟

منشی جی : جی نہیں!

بلبل : اور تمہارا خیال ہے کہ پاکستان کی زبان انگریزی ہے۔
منشی جی : جی ہاں!
بلبل : جی ہاں! اور اس کے بعد بھی تم سمجھتے ہو کہ تم پاگل نہیں ہو؟
منشی جی : جی!
بلبل : یہی تو مزے کی بات ہے کہ کوئی پاگل بھی اپنے کو پاگل نہیں سمجھتا!
منشی جی : آپ کو غلط فہمی ہو رہی ہے حُضور!
بلبل : ہمیں کوئی غلط فہمی نہیں ہے۔ ہم سب جانتے ہیں۔ ہم تو اردو ہی میں درخواست لکھیں گے!
منشی جی : ایسی ضد سے کیا فایدہ حضور! اُردو نہ سہی انگریزی ہی سہی۔ آپ کو اپنا کام نکالنا ہے۔
بلبل : کام نکالنا ہے؟ یعنی ہم کوئی چار سو بیس ہیں کہ جیسا رنگ دیکھا ویسا ڈھنگ اختیار کر لیا۔ لاحول ولا قوۃ گویا اس عمر میں یہی ایک چار سو بیسی رہ گئی تھی کہ ہم اُسے آزمانے کے لیے گھر بار چھوڑ کر یہاں آئے ہیں استغفر اللہ! ہمیں ایسی زمانہ سازی سے سخت نفرت ہے۔
گجک والا : (جو بیٹھا چلم پی رہا ہے۔ دھواں چھوڑ کر اُٹھ کھڑا ہو جاتا ہے) حضور، مجھے اجازت دیجیے میں تو چلتا ہوں۔
بلبل : نہیں نہیں۔ تم نہیں جا سکتے! ہاں منشی جی! میں کہتا جاتا ہوں اور آپ قانونی اور دستوری زبان میں ایک درخواست لکھنا شروع کریں۔
گجک والا : آپ اپنا دستور اور قانون بناتے رہیے حضور! میں غریب آدمی ہوں! مجھے تو اپنے پیٹ کے دھندے ہی سے فرصت نہیں مجھے تو جانے دیجیے (آگے بڑھتا ہے)

بلبل : اماں او! کیا نام ہے تمہارا! دیکھو کہے دیتا ہوں سیدھے قانون کی زد میں آجاؤ گے!

گجک والا : آپ اپنا قانون اور دستور تو تیا کر لیجیے حضور! مجھے روک کر کیوں بھوکا مارنا چاہتے ہیں آپ؟

بلبل : یعنی یہ رنگ ہیں تمہارے؟ دیکھو اب بھی وقت ہے میرا زیور واپس کردو۔ ورنہ........

گجک والا : اجی حضور کیسے زیور؟ کیسی درخواست؟ آپ کیسی باتیں فرماتے ہیں؟

بلبل : اچھا تو لکھو منشی جی!

منشی جی : جی؟

بلبل : ہاں ایک درخواست لکھو!

منشی جی : آٹھ آنے ہوں گے حضور!

بلبل : یعنی درخواست لکھنے کے آٹھ آنے؟

منشی جی : اسی سے تو ہمارا پیٹ پلتا ہے حضور!

گجک والا : مجھے اجازت دیجیے حضور!

بلبل : میں کہہ رہا ہوں تم ٹھیر جاؤ! اسی میں تمہاری بھلائی ہے ورنہ....

گجک والا : اماں چھوڑیے بھی مولانا! کدھر دھونس جما رہے ہیں آپ۔ درخواست دینا ہے تو شوق سے دیجیے میں کب تک آپکا انتظار کرتا رہونگا۔

(آواز لگاتا چلا جاتا ہے۔ بڑی کلے دار ہے.....)

بلبل : یعنی چلا گیا؟

منشی جی : بالکل تیر کی طرح نکل گیا حضور!

بلبل : اوہ! کیسے عجیب لوگوں سے سابقہ پڑا ہے۔ خیر لکھو بی ایک درخواست۔

منشی جی : آٹھ آنے ہوں گے حضور!

بلبل : آٹھ آنے کے بغیر نہیں لکھیں گے آپ؟

منشی جی : مجبوری ہے۔

بلبل : یعنی یہ ایک قسم کا ٹیکس ہے جو انگریزی زبان ہم سے [illegible] کرتی ہے!

منشی جی : ہو سکتا ہے۔

بلبل : اوہ! ہو سکتا ہے! (جیب سے اٹھنی نکال کر منشی کے سامنے پھینکتا ہے) لکھ منشی!

منشی جی : فرمائیے حضور!

بلبل : بشرفِ ملاحظہ عالیجناب معلی القاب عزت مآب!

منشی جی : درخواست تو انگریزی میں لکھنی ہے حضور!

بلبل : ارے جا بہروپیئے! صورت سے تو بہروپیا معلوم ہوتا ہے اور بڑے لاٹ صاحب جیسی باتیں کرتا ہے۔

منشی جی : اخلاق سے کام لیجیے جناب!

بلبل : ہاں ہاں! ہم تو اخلاق جانتے ہیں! لیکن کیا تم انگریزی جانتے ہو . . . . ؟

منشی جی : تھوڑی بہت جانتا ہوں حضور!

بلبل : یہ تھوڑی بہت کیا بات ہوئی یعنی ماں کا نام جانتے ہو باپ کو نہیں پہچانتے۔ یا الف پڑھ لیتے ہو بے نہیں جانتے! آخر مقصد کیا ہے [illegible]؟ اسے زبان سمجھ [illegible]؟

منشی جی : حضور میرا مطلب ہے میرے پاس ہزاروں قسم کی انگریزی درخواستوں کے نمونے پڑے ہیں۔ ان میں سے ایک نہ ایک تو آپ کے کام آہی جائے گی!

بلبل : یعنی درخواستیں پہلے ہی سے تیار ہیں؟

منشی جی : آج کل ہر جگہ یہی ہوتا ہے حضور! یہ بابو لوگ! ہاں ہاں یہ کلارک بابو اور کیا کرتے ہیں۔ پرانے لیٹرس کو دیکھ کر دن بھر اُن کی نقل کرتے ہیں اور مہینے پر تنخواہ اُٹھا لیتے ہیں۔

بلبل : لاحول ولاقوۃ! یعنی عقل و فہم سے کوئی کام ہی نہیں لیتے؟

منشی جی : عقل! (ہنستا ہے) ہا ہا ہا۔ عقل تو صرف انگریز کو تھی حضور ہم سب نقل نویس ہیں (ایک کاغذ نکال کر بلبل کو دیتا ہے) یہ لیجیے۔ درخواست آپ کے کام آجائے گی۔

بلبل : اماں ہٹاؤ بھی تمہاری درخواست کو! نہ جانے اس میں کون سی بیماری کا نسخہ لکھا ہے۔ لاؤ ہمارے آٹھ آنے۔

منشی جی : وہ بھلا کیسے واپس ہو سکتے ہیں حضور!

بلبل : ارے تو گویا آٹھ آنے نہیں دو گے۔

منشی جی : اب میں کیا عرض کروں حضور!

بلبل : اوہو! یعنی اب تمہارے خلاف بھی ایک درخواست لکھنا ہو گی۔

منشی جی : خیر اس کے چار آنے ہی لے لیں گے حضور!

بلبل : اماں لعنت ہو تمہارے چار آنے پر۔ ہم تو اب سیدھے پولیس چوکی جاتے ہیں جو کچھ کہنا ہے زبانی ہی کہے دیتے ہیں۔

(جانے لگتا ہے)

منشی جی : حضور سُنیے تو سہی۔ خیر دو آنے دے دیجیے۔ اماں کیا ایک آنہ بھی نہ دو گے! آج نہ جانے کس کی صورت دیکھ کر نِکلے تھے۔

(پردہ گرتا ہے)

آٹھواں منظر

لالوکھیت کی جھگی ۔ چھوٹے نواب جوتے کو پالش کر رہا ہے ۔
پینٹ شرٹ میں ملبوس ہے ۔ ڈاکٹر ایک طرف کھڑا ہے ۔ ہاتھ
میں ایک ٹیلیگرام ہے ۔ ڈاکٹر حسبِ معمول سوٹ میں ملبوس ہے]

چھوٹے نواب : (جوتے کو اٹھا کر دیکھتا ہے) کیا جِلا آئی ہے! کیا چمک آئی ہے۔ خدا کی قسم آج تو اپنا جوتا جامِ جمشید معلوم ہونے لگا ہے۔ اماں ڈاکٹر! صورت دیکھے گا اس میں اپنی؟

ڈاکٹر : میں تو خیر دیکھ لوں گا مگر اِس ٹیلیگرام میں ذرا تم اپنی صورت تو دیکھ لو!

چھوٹے نواب : ٹیلیگرام؟ ڈاکٹری چھوڑ کر پوسٹ مین بن گئے ہو کیا؟

ڈاکٹر : یہ دیکھو نواب صاحب کا ٹیلیگرام آیا ہے۔

نواب : ابا حضور کا؟

ڈاکٹر : ہاں!

نواب : سب اچھے تو ہیں؟ کیا لکھا ہے اس میں؟ بتاتے کیوں نہیں؟

ڈاکٹر : نواب صاحب پاکستان آچکے ہیں!

نواب : آ گئے ہیں؟ کہاں ٹھہرے ہیں؟

ڈاکٹر : پتہ تو نہیں لکھا ہے اس میں البتہ یہ تار کھوکھرا پار سے آیا ہے!

نواب : لیکن اس غلطی کا پتہ انہیں کیسے معلوم ہو گیا؟

ڈاکٹر : یہ ٹیلیگرام ڈاکٹر اطہر کے توسط سے آیا ہے!

نواب : اماں کیوں مذاق کرتے ہو ڈاکٹر ۔

ڈاکٹر : میں سچ کہہ رہا ہوں چھوٹے نواب !

نواب : تو پھر اب کیا کریں ؟

ڈاکٹر : اب اپنی روش بدل دو ورنہ وہ کسی وقت بھی یہاں آسکتے ہیں ۔

نواب : کسی وقت بھی آسکتے ہیں ! خدا کرے وہ آج ہی آجائیں ۔ پیارے اپنی زندگی میں پھر سے بہار آجائے گی ۔ بڑی مصیبت میں جان تھی ۔

ڈاکٹر : تم جیسا بے حیا میں نے اپنی زندگی میں نہیں دیکھا چھوٹے نواب ۔ انواب صاحب آرہے ہیں یہ سُنکر تمہیں خوشی ہو رہی ہے ؟

نواب : تو کیا رنج ہوگا ! اماں تیرا الوئی باپ ہوتا تو تجھے پتہ چلتا ۔ چھ مہینے بعد اباحضور کی صورت دیکھنی نصیب ہوگی ۔ خوشی نہیں ہوگی تو کیا رنج ہوگا ۔ خدا کی قسم پیارے چل آج تو بھی وہائٹ ہارس کا ایک آدھ پیگ لے لے ۔ چودہ طبق روشن ہو جائیں گے ۔

ڈاکٹر : اوہ ! لائق فرزند اِس پھٹی ہوئی جھونپڑی میں وہائٹ ہارس پر سوار ہو کر اپنے اباحضور کا استقبال کریں گے ۔ شرم نہیں آتی تمہیں ؟

نواب : ابے جا کیا شرم شرم کرتا ہے ۔ آج کون ہے جو نہیں پیتا ۔ بڑے بڑے نصیحت کرنے والوں کو دیکھا ہے آج سب کے قدم لڑکھڑا رہے ہیں ۔

ملا لیتے ہیں تھوڑی سی اگر زم زم بھی پیتے ہیں
یہ باتیں راز کی ہیں حضرتِ زاہد بھی پیتے ہیں

ڈاکٹر : زاہد ! زاہد بھی پیتا ہے ؟

(اتنے میں زاہد داخل ہوتا ہے)

Scanned by CamScanner

زاہد : کیا بات ہے ڈاکٹر؟

نواب : (جاتے ہوئے) دعا کرو زاہد کہ خدا اِسے شعر سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔

ڈاکٹر : (پکارتا ہے) چھوٹے نواب! چھوٹے نواب — چلا گیا۔

زاہد : کیا بات ہے ڈاکٹر؟ کیا کہہ رہا تھا چھوٹے نواب؟

ڈاکٹر : لعنت ہو چھوٹے نواب پر! تم کہو تمہارے انٹرویو کا کیا ہوا؟

زاہد : اوہ! انٹرویو! یہ کوئی نیا انٹرویو تو تھا نہیں ڈاکٹر! اب تک سیکڑوں انٹرویو دے چکا ہوں۔

ڈاکٹر : آخر ہوا کیا؟

زاہد : اور کیا ہوتا! نام پوچھا، پتہ پوچھا، صورت دیکھی، لباس دیکھا اور جب میں نے اپنا دل چیر کر انہیں دکھانا چاہا تو کہا تم جا سکتے ہو!

ڈاکٹر : کسی دوسرے کا انتخاب کر لیا؟

زاہد : کسی اور کا انتخاب ہو جاتا تو کم از کم دل کو سکون تو ہو جاتا۔ وہ سکون ہی تو نہیں دینا چاہتے۔

ڈاکٹر : تم ہر وقت غلط کیوں سوچتے ہو زاہد۔ ممکن ہے تمہارا ہی انتخاب ہو جائے۔

زاہد : (ٹھنڈی سانس بھر کر) دِل کے بہلانے کو غالب یہ خیال اچھا ہے۔

سندھی : (باہر سے آواز آتی ہے) وڈی او ڈاکٹر بابو! او جاہد بابو!

زاہد : کون؟

سندھی : (باہر ہی سے) وڈی اِدر جانو پکارتا پڑا ہے بابو!

ڈاکٹر : کون؟

سندھی : (ہاتھ میں ٹاٹ کا تھیلا اور لکڑی لیے آتا ہے) ابی اِدر دیکھو
نی کون آتا پڑا ہے ؟

ڈاکٹر : (خوشی اور حیرت سے) جانو چاچا !

زاہد : (خوشی سے) اوہ ! جانو چاچا !

سندھی : اچو سائیں ! اسلام علیکم ! چنگو بھلو متار و راضی کھوشی
تواں جو کیئر د حال چال آہے ؟

ڈاکٹر : اللہ کا فضل ہے چاچا ! آئیے بیٹھیے ۔

زاہد : چلو یہ بھی اچھا ہی ہوا چاچا کہ تم آگئے !

ڈاکٹر : لیکن یکایک تم اِدھر کیسے چاچا ؟ اس جھگی کا پتہ تمہیں کس نے بتایا ؟

سندھی : بی شک کہ تم لوگ حیرانی میں پڑا ہے ۔ وڈی ابی تم لوگ نی
جانتا نی ہم تمہارا کتنا کھوج لگاتا پڑا ہے ۔

ڈاکٹر : یہ آپ کی عنایت ہے چاچا ! آپکے گاؤں سے کراچی آکر ہمیں چار برس ہو
گئے اور میں تو یہ سمجھ رہا تھا کہ آپ ہم لوگوں کو بھول بھی گئے ہوں گے !

سندھی : وڈی ابی اِدر چار مہینے نیں ہوتا نی ۔ ابی ام تم کو کیسے بولتا نی
بی شک کہ تم ہمارا گوٹھ چھوڑ کر کرانچی کو نکل گیا پر امارے کلیجے سے تو نیں
نِکلا نی بابو ۔ وڈی اُدر بخشو بھی تم کو بھوت یاد کرتا پڑا ہے ۔

زاہد : آپ کی عنایت ہے چاچا ! بخشو اچھا ہے ؟

سندھی : کسمت کا بات ہے نی بابو ۔ بکشو ابی بیمار ہوتا پڑا ہے ۔ ابی اُدر
گوٹ میں اُس کا بھوت دوائی کرتا پڑا فیر کچھ نیں ہوا ۔ فیر کھود بکشو نے
بولا کی ڈاکٹر بابو کے پاس چلنا پڑیگا ۔ فیر میں نے بولا کی بی شک کی کرانچی
کو جانا پڑیگا ۔ ابی اِدر آیا ہے ۔ پر بکشو تو باہر ہی رہتا پڑا ہے بی شک

کہ گُھداسائیں کا مہربانی ہے۔

ڈاکٹر : (حیرت سے) بخشو باہر ہے ؟

زاہد : آپنے بخشو کو باہر کیوں چھوڑ دیا چاچا ؟

سندھی : ابی کیا کرینگا نی بابو۔ اُدر ڈاکٹر لوگ بولتا پڑا ہے کہ ابی اُدر اسپتال میں جاگا نئیں ہے۔ وڑی وہ باہر ہی رہتا پڑا ہے۔

ڈاکٹر : اوہ! گویا بخشو کو ہاسپٹل میں ایڈمٹ نہیں کیا ؟

سندھی : ہم کو سمجھ نئیں پڑا بابو!

زاہد : یہیں سے محسوسات کی سرحدیں شروع ہو جاتی ہیں چاچا! یہاں سمجھنے کی قوتیں سلب ہو جاتی ہیں۔

ڈاکٹر : کیا بیمار بخشو وہاں اکیلا پڑا ہے ؟

سندھی : اُس کا ماں بھی اُس کے ساتھ رہتا پڑا ہے نی!

زاہد : بیمار کا ساتھ ماں نہیں دیگی تو کیا اسپتال دیگا ؟

ڈاکٹر : چلیے چاچا! میں آپکے ساتھ چلتا ہوں۔ زاہد میرا سنی پرس دینا۔

سندھی : وہ تو بی شاک کہ چلینگا بابو! وڑی ہمارا تو تم پر ایمان ہے نی۔ پر یہ بلبل چاچا پولیس کورٹ کیسل جاتا پڑا ہے بابو!

ڈاکٹر : کیا بلبل چاچا پولیس چوکی جا رہے تھے ؟

سندھی : وڑی ہم جھوٹ نیں بولینگا نی بابو۔ وڑی وہ ایک کاگج کلم کو ڈھونڈتا تھا پڑا۔ وڑی وہ بولتا تھا کی ابی کورٹ کے نام ایک چٹھی لکھ کر لیجائیں گا وڑی کورٹ میں تم لوگ کو لا دینگا۔ وڑی تم ایسا پڑا لکھا بابو ایسا جھگڑا اگڑا کرتا ہے بابو۔ بڑی حیرانی کا بات ہے۔

زاہد : آج سب حیران ہیں چاچا۔ آج تمہارے ہمارے بخشو کو دوا خانے میں

جگہ نہیں ملتی، آج بلبل چاچا کو اُن کے زیورات نہیں ملتے، آج ڈاکٹر کو کام نہیں ملتا۔ آج کسی کو کچھ نہیں ملتا چاچا۔ کسی کو کچھ نہیں ملتا۔

سندھی : بی شک کی بڑا حیرانی کا بات ہے بابو۔ وڈی بلبل چاچا ایسا چھوکرتا پڑا ہے۔

ڈاکٹر : بلبل چاچا کو غلط فہمی ہے کہ ہم نے اُن کے زیورات چرائے ہیں۔

سندھی : چھی چھی چھی چھی۔ تم ایسا پڑھا لکھا بابو وڈی تم ایسا نہیں کرینگا بابو!

ڈاکٹر : لیکن بلبل چاچا کی سمجھ کو کوئی کیا کرے چاچا۔ میں نے اُنہیں بہت سمجھانے کی کوشش کی لیکن وہ مانتے ہی نہیں۔

سندھی : وڈی بابو تم ابی ڈاکٹر ہے نی؟

ڈاکٹر : جی ہاں چاچا! ڈاکٹر ہوں!

سندھی : وڈی جاہد بابو پڑھا نام مڑنا جانتانی بابو؟

ڈاکٹر : یہ ایم اے ہے چاچا۔

سندھی : ہم کو سمجھ نیں پڑاتی بابو۔

زاہد : اچھا ہی ہوا چاچا جو آپ نے نہیں سمجھا! جو مفہوم سمجھتا ہے وہ اور زیادہ مصیبت میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

سندھی : وڈی حیرانی کا بات ہے بابو! تم جیسا پڑھا لکھا مالؤ کو دھندا منداا نیں ملتانی؟

ڈاکٹر : ابھی ہم ملازمت کی کوشش کر رہے ہیں چاچا! میں نے اور زاہد نے مختلف جگہ درخواستیں دے رکھی ہیں۔ انشاءاللہ کہیں نہ کہیں کام نکل ہی آئے گا۔

زاہد : درخواستیں، التجائیں! بیوقوف کہیں اِس سے بھی کام چلا ہے؟

ڈاکٹر : زاہد! اب تمہاری باتیں حد سے تجاوز کرتی جا رہی ہیں۔ تمہیں ہر بات میں غلطی ہی نظر آتی ہے۔ کبھی تو زندگی کا روشن پہلو بھی دیکھ لیا کرو۔ سوچو آج سارے ہندوستان سے کروڑہا مسلمان پاکستان آئے ہیں اور ان کروڑہا انسانوں کے ساتھ کروڑہا مسائل بھی ہیں۔ کیا یہ ممکن ہے کہ آناً فاناً ہیں اُن ساری چیزوں پر قابو پا لیا جائے؟ کیا دُنیا کی کوئی قوت بھی اِن حالات پر اچانک قابو پا سکتی ہے؟

سندھی : گستاخی معاف کرنی بابو! جاہد بابو وڈی سنگی کرتا پڑا ہے۔

ڈاکٹر : یہ صرف مذاق اُڑانا ہی جانتا ہے چاچا! یہ جان بوجھ کر حقیقتوں کو ٹھکراتا ہے۔ اس میں سچائی اور حقیقت سے آنکھیں مِلانے کی ہمت ہی نہیں ہے۔ یہ بزدل ہے۔ یہ حالات سے ڈر کر مایوسی اور قنوطیت کی گود میں منہ چھپا لینا چاہتا ہے۔ یہ دیکھتا ہی نہیں کہ سچائی کیا ہے اور سچائی کے تقاضے کیا ہیں۔ اس کا کام تو بچھو کی طرح ڈنک مارنا ہے۔ اس کی ڈنک سے قوم، ملک، مذہب کوئی محفوظ نہیں۔

زاہد : ہاں دوست! ایسا کرنے پر تم لوگوں نے ہم کو مجبور کیا ہے۔

ڈاکٹر : مجبور کیا ہے؟ کس نے مجبور کیا ہے تمہیں؟ ہندوستان سے یہاں آنے کے لیے کس نے مجبور کیا تھا تمہیں؟ انگریز سے نفرت کرنے اور پاکستان کے نعرے لگانے پر کس نے مجبور کیا تھا تمہیں؟

زاہد : آزادی کی خواہش نے۔

ڈاکٹر : تو کیا تم آج آزاد نہیں ہو؟ کیا آج انگریز رخصت نہیں ہوا؟ کیا آج پاکستان نہیں بنا؟ کیا دو روز کی بھوک نے تمہاری آزاد خیالی کے اونچے محلوں کو ایک دم زمین پر گرا دیا۔ تم بھول گئے کہ آزادی بھی اپنی قیمت

مانگتی ہے ۔ آزادی کے بعد مصیبتیں اور صعوبتیں بھی برداشت کرنی پڑتی ہیں ۔ جنگ جیتنے والی فوجیں جب فاتح کی حیثیت سے اپنے وطن لوٹتی ہیں تو کیا اُن کی فتح ونصرت کے ترانوں کی آوازوں کے ساتھ مرے ہوئے سپاہیوں کے بچوں اور بیواؤں کی آہ و بکا سننے میں نہیں آتی ۔ کیا فتح و نصرت مفت ہی ہاتھ آجاتے ہیں ۔ زندہ رہنے کے لیے ایک نصب العین، ایک مقصد اور ایک عزم کی ضرورت ہوتی ہے دوست! ذرا ذرا سی باتوں پر گلے شکوے کرنا، کبھی حکومت کو، کبھی قسمت کو، کبھی مذہب کو بُرا بھلا کہنا کیا یہی تمہارا مقصدِ حیات بن گیا ہے ؟

سندھی : ڈری جانے دونی بابو! یہ تم کیا کرتا پڑا ہے! جوانی سالی تو دیوانی ہوتا ہی پڑا ہے ۔

ڈاکٹر : تم جوان ہو! تعلیم یافتہ ہو! تمہارے اندر اتنی قوت ہے کہ تم چاہو تو زمانے کو بدل سکتے ہو ۔ جانو چاچا کے اس بڑھاپے کی طرف دیکھو! یہاں کیا ہے؟ کونسی جوانی ہے! کونسا علم ہے! کیا جانو چاچا نے کبھی حکومت اور کبھی ملازمت کی طرف پلٹ کر بھی دیکھا ہے ۔ گلہ شکوہ وہ لوگ کرتے ہیں جو بزدل اور نکمے ہوتے ہیں ۔ آج بغیر کسی خاص جدوجہد کے تمہیں دُنیا کی پانچویں بڑی مملکت ملی ہے ۔ اس کے باوجود تم اس کی برائی کرتے ہو ۔ جس درخت کا سہارا لیتے ہو اُسی کی جڑ پہ کلہاڑا چلاتے ہو ۔

زاہد : ہاں دوست ہم بزدل ہیں ۔ نکمے ہیں، بے عمل ہیں، اچھا دوست یہ باتیں تم اس لیے کہہ سکتے ہو کہ آج میں تمہاری روٹی پہ گزارا کر رہا ہوں ۔ خیر! آج سے ہم بھی مزدوری کریں گے! خدا حافظ! ہم تو چلتے ہیں (جانے لگتا ہے)

Scanned by CamScanner

سندھی : او جاہد بابو! چھوٹو بھلا جاتا پڑا ہے۔
ڈاکٹر : زاہد تم نہیں جا سکتے! میں تمہیں اس طرح نہیں جانے دوں گا!
زاہد : اوہ! ہاں! تم بھلا کیسے جانے دو گے دوست! تمہارے پیسے جو میرے پاس محفوظ ہیں۔
ڈاکٹر : زاہد! یہ کیا کہہ رہے ہو تم؟
زاہد : ہاں بھئی! مجھ نکمے پر تم نے اعتماد کیا ہے۔ تمہارا پرس میرے پاس ہے (ایک ٹرنک کے پاس بیٹھکر ٹرنک کھولتا ہے۔ پریشانی میں چیزیں الٹ پلٹ کرتا ہے گھبراتے ہوئے لہجے میں) ڈاکٹر! کیا تم نے اپنا پرس لے لیا ہے۔
ڈاکٹر : مجھے پرس کی ضرورت نہیں! میں تو صرف تمہیں روکنا چاہتا ہوں۔
زاہد : (ٹرنک بند کر کے اُس پر بیٹھ جاتا ہے) ایسا معلوم ہوتا ہے ڈاکٹر کہ اب مجھے رُکنا ہی پڑے گا۔ تمہارا منی پرس جو غائب ہو گیا ہے!
ڈاکٹر : غائب ہو گیا ہے؟ کہاں رکھا تھا تم نے؟
زاہد : اسی ٹرنک میں رکھا تھا ڈاکٹر!
ڈاکٹر : میرے ٹرنک میں بھی تو دیکھ لو!
زاہد : (اُٹھ کر دوسرے ٹرنک کے پاس جاتا اُسے کھولکر دیکھتا ہے) اس میں بھی نہیں ہے ڈاکٹر! اس میں نہیں ہے!
ڈاکٹر : نہیں ہے تو اس قدر گھبراتے کیوں ہو؟ چھوٹے نواب سے بھی تو پوچھ لو (پکارتا ہے) چھوٹے نواب! چھوٹے نواب! کہاں ہے چھوٹے نواب!
زاہد : ابھی تو یہیں تھا!
ڈاکٹر : (اور بلند آواز سے) چھوٹے نواب! چھوٹے نواب!
سندھی : حیرانی کا بات ہے! یہ سب کیا ہوتا پڑا ہے بابو؟

چھوٹے نواب : (ہاتھ میں بوتل اور گلاس لیے آتا ہے نشہ میں ہے) کیا ہے؟
کیوں شور مچاتے ہو پیارے۔ میری جُدائی تمہیں اس قدر شاق گذرتی ہے
(گاتا ہے) بنانے والے گھڑا مجھکو بنایا ہوتا۔

ڈاکٹر : اوہ! یہ رنگ ہیں تمہارے (غصے سے) چھوٹے نواب!

نواب : ارے اس طرح چیختا کیوں ہے۔ میں تیرے قریب ہی تو کھڑا ہوں میری جان!

ڈاکٹر : میرا پرس دیکھا ہے تم نے؟

نواب : یہاں ہمیں خود اپنے پرس کی پرواہ نہیں ہے پیارے تو تمہارے پرس کی بھی خوب رہی!

ڈاکٹر : چھوٹے نواب! تمہیں میرا پرس واپس کرنا ہوگا!

نواب : کیا تم مجھے چور سمجھتے ہو؟

ڈاکٹر : میں کچھ نہیں جانتا! مجھے اپنا پرس چاہیئے۔

نواب : بلبل چاچا کو اپنا زیور چاہیئے! تمہیں اپنا پرس چاہیئے! زاہد کو نوکری چاہیئے! ارے کبھی مجھ سے بھی پوچھا ہے کہ مجھے کیا چاہیئے۔ مجھے اپنی گلنار چاہیئے۔

زاہد : مذاق کی بات نہیں نواب! کیا تم نے پرس نہیں دیکھا؟

نواب : اب کی دفعہ کسی نے پرس یا زیور کا نام لیا تو جان سے مار دوں گا! کیا تم مجھے چور سمجھتے ہو! ذلیل شرابی سمجھتے ہو! تم سب مل کر جتنا کما سکتے ہو میں اُس سے زیادہ کی پی لیتا ہوں۔ تُف ہے تم پر کہ کسی کی عزت آبرو کا خیال بھی نہیں کرتے (غصے سے چلا جاتا ہے)

ڈاکٹر : یہ اس طرح درست نہیں ہوگا۔ میں اسے پولیس کے حوالے کرتا ہوں۔ چلو زاہد تم بھی ساتھ چلو۔

زاہد : نہیں ڈاکٹر! کس مُنھ سے کہیں کہ ہمارا دوست چور ہے۔

سندھی : وڑی بابو! ابی تم بولونی! سالی گورنمنٹ کس کس کو پکڑلیوے
بی ایک ایک جھگی میں ایک ایک چور رہتا پڑینگا تو گورنمنٹ کیسا کام کرنا
پڑینگا۔

زاہد : یہی تو مصیبت ہے چاچا! کچھ سمجھ میں نہیں آتا آج انسان کو کیا ہوگیا ہے۔

(باہر سے شربت والا آواز دیتا ہے)

شربت والا : ڈاکٹر صاحب! او ڈاکٹر صاحب! کیا ہوگیا ہے آپ کو
جواب کیوں نہیں دیتے ؟

ڈاکٹر : (اونچی آواز سے) کون ہے بھائی ؟

شربت والا : میں ہوں بابو!

ڈاکٹر : میں کون!

(شربت والا سر پہ بستر اور ہاتھ میں ٹرنک لیے آتا ہے)

شربت والا : ڈاکٹر بابو! میں ہوں آپ کا بیمار!

ڈاکٹر : میرا بیمار!

سندھی : وڑی ابی تم سالا بیمار ہو کر بھی اتنا بوجھ اُٹھاتا پڑا ہے۔

شربت والا : (سامان رکھتے ہوئے) دوسروں کی مفت کی ہمدردی بھی
تو ایک بیماری ہے بابو۔

ڈاکٹر : کون؟ او تم! لیکن یہ سامان کس کا ہے؟

شربت والا : ابھی ایک صاحب آپ کا پتہ پوچھتے پھر رہے تھے۔

ڈاکٹر : ایک صاحب۔

(ڈِنگ ہی ہی چلا جاتا ہے)

شربت والا : بیچارے بڈھے آدمی بہت پریشان معلوم ہوتے تھے۔ میں نے سوچا جہاں ہم غریبوں کے کندھوں پر سوار ہو کر بہت سے لوگ اونچی اونچی کرسیوں تک پہنچ گئے ہیں وہاں ایک آدھ کو مجبور پٹڑی تک بھی پہنچا دوں کیسی بابو ؟

زاہد : کون صاحب ہیں وہ ؟

شربت والا : نہ جانے کون صاحب ہیں بابو ! ہم تو چلے خدا حافظ۔

(شربت والا جاتا ہے۔ اسی ڈھنگ سے نواب دِلبر شاہ اور ڈاکٹر آتے ہیں۔ نواب شیروانی، دوپلی اور چوڑی دار پاجامے میں ملبوس ہے۔)

دلبر : (زاہد کی طرف دیکھ کر) کون ؟ چھوٹے نواب ! اچھے تو ہو صاحبزادے ؟

زاہد : جی ! ہیں ! ہیں (جھک کر سلام کرتا ہے)

ڈاکٹر : یہ افضل الاطبا مولوی ابراہیم عینخاں صاحب کا لڑکا ہے نواب صاحب۔ زاہد۔

دلبر : اوہ ! زاہد میاں ! تم بھی یہیں رہتے ہو ؟ چلو اچھا ہوا۔ میں تو تمہیں تلاش ہی کرنے والا تھا۔ اب وہ ملک شریفوں کے رہنے کے قابل نہیں رہا۔ اب تو یہ حالت ہو گئی ہے کہ جس کا گھر لوٹنا چاہو ایک آدھ پاکستان کا جھنڈا لگا دو اور مزے سے لوٹ لو۔ لیکن بھئی واہ ! لاحول ولا قوۃ۔ اچھا یاد آیا۔ (جیبیں ٹٹولتا ہے) میں نے چٹھی کہاں رکھ دی ؟

ڈاکٹر : آپ تشریف تو رکھیئے نواب صاحب۔ چٹھی ٹرنک میں ہوگی۔

دلبر : مگر اب ٹرنک میں بھی کچھ نہیں رہا ڈاکٹر میاں ! ماناباوپر سب کچھ چھین لیا !

ڈاکٹر : سب کچھ چھین لیا ؟

دلبر : اجی چٹھی چھیننے سے کیا ہوتا ہے۔ کمبخت میرا حافظہ تو نہیں چھین سکتے۔

مجھے زبانی سب کچھ یاد ہے۔

ڈاکٹر : جی میں کچھ سمجھا نہیں۔

دِلبر : (سندھی کی طرف دیکھ کر) آپ ؟ آپ کون ؟

ڈاکٹر : یہ جانو چاچا ہیں۔

سندھی : اجو سائیں السلام علیکم! چنگو بھلو۔ راجی ٹھوسی، تواجو کیڑو حال چال آہے۔

(دِلبر شاد پریشان ہو جاتا ہے اور اسی گھبراہٹ میں سندھی سے ہاتھ مِلاتا ہے)

ڈاکٹر : اِن سندھی چاچا نے ہم پر بڑے احسان کیئے ہیں نواب صاحب پاکستان میں ہم سب انہیں کے پاس ٹھیرے تھے۔

دلبر : اوہ! جن کا تذکرہ تم نے اپنے خط میں کیا تھا؟

ڈاکٹر : جی وہی ہیں۔

دِلبر : بڑی خوشی ہوئی آپ سے مِل کر۔ آپنے میرے بے سہارا بچوں کو سہارا دیکر مجھ پر بڑا احسان کیا ہے۔ مگر میرا خط کہاں گیا۔

سندھی : ہم کو پڑھنا مڑنا نہیں آئے بابو!

دِلبر : پڑھنے لکھنے سے کیا ہوتا ہے۔ انسان تو اپنے سلوک سے پہچانا جاتا ہے۔ بھئی زاہد میاں! ذرا اِدھر قریب تو آؤ! تمہارے چچا ملے تھے بیچارے آج کل بہت پریشان ہیں۔

زاہد : پریشان ہیں ؟

دلبر : ہاں جی! آج کل کون مسلمان وہاں خوش رہ سکتا ہے۔ میں سمجھتا ہوں دو چار دِن میں وہ بھی یہیں آجائیں گے!

ڈاکٹر : آپ تشریف تو رکھیے نواب صاحب !

دلبر : ہاں ہاں بیٹھتا ہوں (صوفے پر بیٹھ جاتا ہے) خدا خوش رکھے۔ کیا آرام نصیب ہوا ہے۔ قسم اللہ پاک کی ڈاکٹر میاں تم لوگوں کے یہاں آنے کے بعد جو جو مصیبتیں جھیلنی پڑی ہیں مجھ میں بیان کرنے کی بھی تاب نہیں۔ کمبختوں نے مکان چھینا، زمینات چھینیں، جاگیر ضبط کر لی اور حد ہو گئی ڈاکٹر میاں کہ مجھے گھر وار چھوڑ کر رضیہ بیٹی کے ہمراہ تمہارے بڑے بھائی کے پاس جانا پڑا۔

ڈاکٹر : رضیہ آپ کے ساتھ نہیں آئیں !

دلبر : بھلا اپنے ساتھ کیسے لاتا ڈاکٹر میاں۔ تمہارے ہی گھر چھوڑ آیا ہوں۔ لیکن جیسا سچ پوچھو تو میرے دل کو آج چین نصیب ہوا ہے چھوٹے نواب کہاں ہے ؟

زاہد : (پکارتا ہے) چھوٹے نواب ! چھوٹے نواب۔

ڈاکٹر : (زاہد کی طرف دیکھ کر) زاہد یہ کیا کرتے ہو ؟ وہ ذرا کسی کام سے باہر گئے ہیں نواب صاحب !

دلبر : کام دھام کرنے لگا ہے وہ ؟

ڈاکٹر : جی !

دلبر : میں نہ کہتا تھا اپنا اسلامی ملک ہے۔ انشا اللہ خوب نوازے گا !

زاہد : لیکن نواب صاحب ! بغیر کسی اطلاع کے آپ نے اتنے دور دراز سفر کی تکلیف کیوں فرمائی ؟

دلبر : اماں تم سمجھتے ہو یہ تکلیف میں نے کی ہے ؟ اماں جان بوجھ کر کمبختوں نے یہ تکلیف دی ہے۔ قسم اللہ پاک کی وہ تو میں بے حیا تھا جو اتنے دن وہاں رہ سکا کمبختوں نے دل آزاری کے ایسے طریقے نکالے ہیں کہ اللہ کی پناہ !

ڈاکٹر : اچھا ؟

دلبر : قسم اللہ پاک کی ڈاکٹر میاں ! بڑھاپے اور کمزوری نے مجبور کر دیا ورنہ جی چاہتا تھا کہ ظالموں کو للکار ہی دوں کہ آجاؤ مقابلے پر ۔

(بلبل اپنے آپ سے باتیں کرتا ہوا آتا ہے)

بلبل : کیا عجب زمانہ آگیا ہے ۔ ذرا ذرا سے لونڈے ہمارے مقابلے پر آنے لگے ہیں ۔

دلبر : مقابلہ ؟ کون بدمعاش گھر میں گھس آیا ہے (بلبل کی طرف دیکھ کر) کون ! مولنٰنا بلبل ۔

بلبل : اوہ ! نواب صاحب (دانتوں سے اپنی انگلی کاٹتے ہے) میں خواب تو نہیں دیکھ رہا ہوں !

دلبر : اجی خواب نہیں مولنٰنا ! زندگی میں پہلی بار حقیقت آج نظروں کے سامنے آئی ہے ۔ اس سے پہلے جو کچھ ہم دیکھ رہے تھے وہ دراصل خواب تھے ۔

بلبل : واللہ مزہ آگیا ! نواب صاحب وہ کسی کا شعر ہے ۔

وہ آئیں گھر میں ہمارے خدا کی قدرت ہے
کبھی ہم اُن کو کبھی اپنے گھر کو دیکھتے ہیں

مگر معاف کیجیے نواب صاحب ۔ شعر چونکہ جھونپڑی کا متحمل نہیں ہو سکتا اس لیے جھونپڑی میں ہوتے ہوئے بھی گھر کا قافیہ باندھنے پر مجبور رہوں ۔

دلبر شاہ : اماں واللہ ! کیا بات پیدا کی ہے ۔ وہ جو کسی نے کہا ہے کہ جھونپڑی میں رہ کر محلوں کے خواب دیکھنا بہتر ہے بجائے اس کے کہ محلوں میں رہیں اور خواب دیکھنے کی کوئی چیز نہ ہو ۔

بلبل : اجی نہیں نواب صاحب ! بلبل نے یہ بال دھوپ میں سفید نہیں کیے ہیں مجھے معلوم تھا ایک نہ ایک دن آپ ضرور آئیں گے ۔

چلیئے اٹھائیے سامان یہاں سے !

دلبر : مولانا بلبل !

بلبل : جی اُٹھائیے اپنا سامان یہاں سے ۔

دلبر : آپ کیا کہہ رہے ہیں ؟

بلبل : اُٹھائیے سامان اور اس جھونپڑی کو چھوڑ کر چلیئے !

دلبر : چلیئے لیکن کہاں ؟

بلبل : اماں ڈاکٹر اُٹھاؤ سامان ۔

ڈاکٹر : سامان اُٹھاؤں ؟ لیکن کیوں ؟

بلبل : اماں او ولایتی نوجوان ! میں نہ کہتا تھا کہ دو چار مکانات پر نظر ہے ایک آدھ الاٹ ہو ہی جائیگا ۔ یہ دیکھو الاٹ کا کاغذ ۔ اعلیٰ درجے کا مکان ملا ہے ۔ ایک ایک کمرا اتنا بڑا بڑا ۔ سامنے کا صحن اتنا چوڑا اور برآمدہ ایسا ہوا دار کہ مجھے تو یاد کر کے ہی کپکپی محسوس ہو رہی ہے ۔

ڈاکٹر : سچ ؟

بلبل : اور کیا جھوٹ کہہ رہا ہوں ؟

زاہد : بلبل چاچا کیا آپ ؟

بلبل : تم چپ رہو جی ! اُٹھاؤ سامان ۔ چل جاؤ سامان کیوں نہیں اُٹھاتا ؟ اماں میں کہہ رہا ہوں اُٹھاؤ سامان ۔ چھوٹے نواب کہاں گیا ۔ چھوٹے نواب ۔ جلدی کرو بھائی ! گدھا گاڑی باہر کھڑی ہے ۔ یہاں کے گدھے عربی نسل سے ہیں ۔ ہر وقت بیتاب بیتاب رہتے ہیں کہیں بھاگ نہ جائیں ۔ اماں چلو زاہد جلدی کرو ۔ فوراً قبضہ کر لو بھائی میں نے سنا ہے یہاں سب سے زیادہ اہمیت قبضے ہی کی ہے ۔ جس کا قبضہ وہ مالک ۔

(سب سامان اُٹھا کر جاتے ہیں۔ بلبل اکیلا رہ جاتا ہے۔ ٹوپی اُتار کر
اس میں سے ایک ہار نکالتا اور اُسے دیکھتا ہے۔ پیچھے سے چھوٹے
نواب آتا ہے اور بلبل کی یہ حرکت دیکھتا ہے)

نواب : کیا ہو رہا ہے بلبل چاچا! یہ کِس کے گلے کا ہار ہو رہے ہیں (گا کر) بگڑنا، روٹھنا، لڑنا، گلے کا ہار ہو جانا۔

بلبل : ارے تم! الاحول ولا قوۃ!

نواب : اوہ چاچا! آپ تو کہتے تھے آپ کا سارا زیور کسی نے غائب کر دیا ہے۔ یہ ہار کہاں سے آگیا۔

بلبل : اسے مرحومہ کی یہی ایک نشانی رہ گئی ہے۔ باقی سب کچھ تو تو نے چرا لیا۔

نواب : خدا کی قسم بلبل چاچا! میں نے یہ ایک انگوٹھی، صرف ایک انگوٹھی چرائی تھی۔

بلبل : انگوٹھی؟

نواب : جی ہاں! صرف ایک انگوٹھی!

بلبل : باقی زیور کس نے چرالئے۔

نواب : باقی زیور! باقی زیور کسی ایسے نے چرائے ہیں جسے ہم ابھی گرفتار نہیں کر سکتے۔ لیکن ایک دن آئیگا کہ ہم اُس سے ایک ایک چیز وصول کریں گے۔

بلبل : کون ہے بھتیاوہ! اللہ واسطے اُس کا پتہ تو بتلا دو!

نواب : وہ سرحد کے اُس پار رہتا ہے۔

بلبل : سرحد کے پار؟

نواب : جی ہاں! یہاں سے بہت دُور! لالو کھیت سے بہت دُور۔ ایک لال لال قلعے ہیں۔

(باہر سے ڈاکٹر آواز دیتا ہے)

ستندھی : (اسٹیج پر آکر) چاچا چلو نہ۔ ابی گدھا بلاتا ہے۔

ڈاکٹر : بلبل چاچا اب چلیئے تو سہی۔

بلبل : اوہ! آہی تو رہا ہوں بھیا! چلو چھوٹے نواب! اب تو نواب دلبر شاد بھی آگئے ہیں۔ واللہ مزہ آجائیگا۔

نواب : کون؟ ابا حضور؟ ابا حضور آگئے ہیں۔

بلبل : ہاں! اب ڈرنے سے کیا فایدہ! تیرا نشہ تو اب انہیں سے اُترے گا کمبخت۔

(دونوں جاتے ہیں)

(پردہ گرتا ہے)